قد افلح من تزکّی و ذکر اسم ربه فصلّی

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

10/95

المرشد

اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

اکیسویں صدی

اکیسویں صدی کی آمد کا بڑا چرچا ہے۔ اور یہ چرچا کرنے والے کوئی غیر نہیں ہمارے خیر خواہ لوگ ہیں۔ ہمارے ان محسنوں اور خیر خواہوں نے گذشتہ نصف صدی میں قوم کی قسمت کو جس طرح سنوارا ہے وہ کچھ اس شکل میں موجود ہے کہ:

☆ حکمران، سیاست دان، بیورو کریٹس اور جرنیل پورے طور پر کرپٹ، عیاش اور اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکے ہیں۔

☆ ملک کی انتظامی کاروبار پر رشوت، غبن، بدکرداری، بد دیانتی اور اسی نوع کی بے شمار خوبیوں کا مکمل قبضہ ہے۔

☆ عدلیہ کے ترازو میں دولت کی تول کے حساب سے عدل دیا جاتا ہے۔

☆ تعلیمی اداروں میں مجرم پیدا کئے جاتے ہیں اور مجرموں کی تربیت ہوتی ہے۔

☆ ہمارے اکثر مذہبی ادارے اور مذہبی رہنما دین و مذہب کے بلیک میلر بن چکے ہیں۔

☆ علم و ادب، سائنس و ٹیکنالوجی اور ریسرچ کی جگہ ناچ رنگ اور گانے بجانے کو مکمل سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ اور طوائفوں کے طائفے غیر ملکوں میں بھیج کر ہمارے کلچر کی نمائندگی کروائی جاتی ہے۔

☆ قوم کے نوجوانوں کو رنگ بہ رنگ نشوں کا عادی بنایا جا چکا ہے۔

☆ امن کی جگہ ظلم و تشدد، قتل و غارت، لوٹ مار اور ڈاکے ہمارے روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔

☆ وطن کی اقتصادی، مالی اور کاروباری نظام کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔

اس گنتی سے کیا فائدہ۔ یہ فہرست تو بڑی طویل ہے۔ بس خوشی مناؤ۔ جشن مناؤ چھٹیاں مناؤ کہ اکیسویں صدی آ رہی ہے۔ اور آئی ایم ایف یا ورلڈ بنک پوری قوم کی بولی لگانے سے اکتا جائے گی۔ بجٹ اور ٹیکس کا نظام فرسودہ ہو کر ختم ہو جائے گا۔

پانچ سال بعد گاؤں گاؤں، نگری نگری نیلامی کے اڈے قائم ہوں گے۔ ایک ایک مرد، ایک ایک عورت، ایک ایک بچے کی بولی لگے گی۔ جسے ورلڈ بنک نہیں چھوٹے چھوٹے ادارے اور صاحب ثروت افراد اپنی ذاتی غلامی کے لئے خریدیں گے۔ تاکہ حکمرانوں کی ضروریات کے لئے فنڈ مہیا ہو سکے۔

ایک بے حس اور مردہ قوم سے اکیسویں صدی کا اور کیا تقاضا ہو سکتا ہے۔

تاج رحیم

ذکر کی طاقت

ملک محمد اکرم اعوان

فرعون اور آل فرعون کی حکمرانی میں بنی اسرائیل یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس طاقت سے ہم جان چھڑا سکتے ہیں' ٹکر لینا تو دور کی بات ہے وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ ہم کہیں بھاگ کر بھی اس سے جا سکتے ہیں۔ رب کریم نے ان پر یہ احسان فرمایا کہ فرعون اور اس کے سارے لاؤ لشکر کو ان کے سامنے غرق دریا کر دیا اور پورا ملک ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ پوری سلطنت ان کے قدموں میں ڈال دی۔ ان کی اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی بہت بڑی دلیل تھی۔ اللہ نے ان پر بہت بڑا رحم فرمایا لیکن اللہ کے ساتھ جو رشتہ ہے اس میں تسلسل اور دوام چاہئے۔ اب اس ایک بات کو وہ لے کر بیٹھ گئے اور آگے وہ جہاں انہوں نے ایک شعبدہ دیکھا' ایک بچھڑا دیکھا' اسے سجدہ کر لیا تو وہ جو پچھلی ریلیشن شپ تھی وہ وہاں کام نہیں آئی۔ پھر ان کو سزا ہوئی وہ اس میں نہ رہے کہ ہم نے اللہ کو یاد کیا تھا' دعا کی تھی' اللہ نے مجھ پر بڑا احسان کیا تھا' میں اللہ کا بہت مقبول بندہ ہوں' اللہ کا احسان تھا تو تمہیں اور زیادہ اطاعت گزار ہونا چاہئے۔ جب احسان زیادہ تھا تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اطاعت بھی زیادہ ہوتی تو جب کوئی عملی زندگی میں جہاں سے بھی وہ قانون توڑے گا وہیں سے اس پر گرفت آ جائے گی۔ جیسے کوئی کہے کہ جس نے تیس پارے یاد کر لئے تو اس کی کئی پشتیں بخشی گئیں۔ بخشی تو گئیں لیکن اس پر ذمہ داری بھی تو آ گئی کہ اللہ نے اسے اتنا نور دیا ہے کہ تیس پارے اس کے سینے میں محفوظ ہیں۔ اب کام کرتے وقت اسے بھی یہ ظاہر کرنا ہو گا کہ مجھ پر اللہ کا اتنا احسان ہے اس لئے میں اتنی Deeply اس کی اطاعت کر رہا ہوں اگر نہیں کرے گا تو شاید اس کی نسبت اس سے زیادہ سخت جواب طلبی ہو۔ جس نے قرآن حفظ نہیں کیا اس سے شاید کم ہو اور حافظ سے زیادہ ہو۔ ایک نہیں سمجھتا اس سے نہ جاننے کا سوال جواب کیا جائے گا کہ تو نے سمجھا کیوں نہیں۔ ایک سمجھتا تھا اور سمجھ کر اس نے چھوڑ دیا تو اس سے سوال دوسری صورت کا ہو گا۔ پھر اللہ کریم فرماتے ہیں۔

وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا۔ کہ ایک بہت بڑی خصوصیت جو ہم نے اے مخاطب تجھے دی ہے وہ یہ ہے کہ تجھے ہم نے اپنا ذکر اپنی یاد تجلیات کو دل میں سمو لینے کی ایک کیفیت عطا کر دی صرف یہ نہیں کہ تجھے دلائل دیئے ہیں یا تجھے راستہ سکھایا ہے یا تجھے کام کرنے یا نہ کرنے کا انداز بتایا ہے بلکہ تمہیں اپنی ذات کے ساتھ وہ رشتہ دے دیا ہے جو سب خواہشات کو ہی بدل دیتا ہے۔ ہر خواہش' ہر آرزو دل کی گہرائی سے جنم لیتی ہے۔ دماغ سارے فزیکل سٹرکچر کو سمجھتا ہے اس کی ضرورتوں کو' اس کے فائدے کو' اس کے نقصان کو لیکن حکومت دل ہی کی چلتی ہے۔ جسمانی

ہماری جو ضرورتیں ہیں ان کے لئے بھی اگر دل کرتا ہے نا میں زیابیطس کا پیشنٹ ہوں میرا دل کرتا ہے کہ میں چینی کھاؤں اور دماغ سمجھاتا تو رہتا ہے کہ نہ کھا لیکن کھانے سے روک نہیں سکتا۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جو نہیں رک سکتے۔ جن لوگوں کو ہم سمجھتے ہیں یہ بے وقوف ہیں نشہ کرتا ہے' ہیروئین پیتا ہے' جوئے میں پیسے ہار دیتا ہے۔ اس بے وقوف سے اگر آپ پوچھیں تو یہ بات وہ بھی سمجھتا ہے کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے یہ کبھی نہیں کہ وہ اس میں کوئی فائدہ سمجھتا ہے۔ اس کے دل میں ایک بات بیٹھی ہے اس کے دل سے ایک خواہش ابھرتی ہے وہ کرتا ہے۔ دماغ اس کا بھی سمجھتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تو اصل جو طاقت ہے' اصل پاور جو ہے وہ دل میں ہوتی ہے جہاں سے آرزو جنم لیتی ہے' خواہش ابھرتی ہے' کوئی چیز پا کر اگر خوشی ہوتی ہے تو دل کو ہوتی ہے کوئی چیز کھو کر اگر رنج ہوتا ہے تو اسے دل محسوس کرتا ہے۔ دماغ کا کام اس سسٹم کو کنٹرول کرنا ہے۔ دل میں خواہش ابھری' دماغ نے اعضاء و جوارح تک وہ حکم پہنچا دیا وہ سارے اس کام میں لگ گئے۔ ہاتھ پاؤں آنکھ دل نے اس سے روک دیا وہ ساری ہر چیز وہیں سٹاپ۔ مطالعہ کرنے کو دل چاہتا ہے لیٹ نائٹ ہے دماغ میں آتی ہے یار اتنی دیر ہو گئی چھوڑو لیکن دل چاہتا ہے کتاب لے کر بیٹھے ہیں دل نہیں چاہتا جب تو کتاب بند ہو جاتی ہے لائٹ بجھ جاتی ہے عقل میں آتی بھی رہے کہ مجھے صبح پرچہ دینا ہے مجھے یہ پڑھنا چاہئے دماغ کہتا بھی رہے کہ یاد کر لو وہ نہیں کرتا۔ تو زندگی میں اصل حکومت جو انسانی بدن پر ہے یا انسانی جسم پر ہے وہ دل کی ہے ہاں جب دل مر جائے دل میں حیات باقی نہ رہے پھر سارا نظام دماغ کے سپرد آ جاتا ہے اور دماغ کی جو ہوتی ہے حیات وہ انسانی حیات نہیں۔ جس طرح آپ اس غیر مسلم معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ جہاں حیات انسانی حیات نہیں' رشتے انسانی رشتے نہیں ہیں۔ ان میں یا کوئی معاشی ضرورتیں ہوں گی یا اکنامیکی کوئی بینیفٹس ہوں گے تو رشتہ ہو گا کوئی جسمانی۔

میرے خیال میں جو تجزیہ میں نے کیا ہے میں نے یہ سمجھا ہے کہ مغرب میں سیکس اور پیسے کے سوا یا اکنامیکلی کسی بینیفٹس کے سوا کوئی تیسرا رشتہ میری نظر میں نہیں۔ اس لئے کہ یہ سارا جو ہے وہ چلا گیا دماغ پر' دل مردہ ہو گئے اب دماغ کے پاس جسمانی لذتوں کے سوا جسمانی سہولتوں کے سوا یا جسم کو آسودہ کرنے کے سوا تو اس کے پاس کچھ نہیں اور جسمانی آسودگی میں آن ٹاپ آف دی لسٹ یا سیکس ہے یا پیسہ اور یہی دو رشتے ہیں کوئی ماں باپ کا رشتہ نہیں ہے' بہن بھائی کا نہیں ہے' دوستی کا کوئی نہیں' کسی ایک شہر میں رہنے کا' کوئی اڑوس پڑوس کا' کوئی انسانی حوالہ جو انسانوں کو ایک بات میں جکڑ دیتا ہے وہ نہیں۔

ہمارے ہاں آپ دیکھیں کوئی مسلمان گناہگار سہی کبھی کسی گاؤں سے گزرتے ہوئے کسی گھر سے پانی کا ایک گلاس پی لیا تو وہ زندگی بھر یاد رکھتا ہے کہ وہاں سے میں نے پانی پیا تھا ان کے ساتھ میرا تعلق ہے یعنی وہ وہاں عملاً نہیں گیا' اتفاقاً" گزر رہا تھا۔ وہاں سے پانی کے گلاس سے ریلیشن شپ چل پڑتی ہے وہ مدتوں پشتوں تک جاتی ہے فلاں میرے باپ کا دوست تھا بھئی کیا دوستی تھی تیرے باپ کی' صرف گزرتے ہوئے ایک پانی کا کپ پیا تھا وہ نسلوں میں چلتی رہی ہے ایک انسانی خو ہے۔ یہاں وہ خو کوئی نہیں ہوتی جانوروں کی طرح ایک ریوڑ میں ایک جانور رہتا ہے وہ اس میں سے پکڑ کر آپ دوسرے آدمی کو بیچ دیتے ہیں وہ اسی کھونٹے پہ کھڑا ہے اسے پیٹ بھرنا ہے اور جگالی کرنا ہے اسے یہ فکر نہیں کہ وہ پیچھے والے کہاں رہ گئے۔ جب دماغ پہ بات آتی ہے تو انسان بھی ایک پڑھا لکھا مہذب جانور بن جاتا ہے اس کی زندگی اس ڈگر پہ چلی جاتی ہے کہ وہ بالکل حیوان ہو گا لیکن جب دل میں اللہ کی یاد آتی ہے یا اللہ کا نام آتا ہے تو دل کو ایک حیات ملتی ہے وہ خوبصورت حیات جو اس کی تمناؤں کو عجیب تبدیلی دیتی ہے آپ دیکھتے ہوں گے کہ عرب کے لوگ ہر برائی میں آگے تھے لیکن ہر نیکی میں وہ امام بن گئے یعنی ایک آدمی ڈاکہ ڈال کر خوش ہو

جاتا ہے اب وہ اس بات پہ خوش ہوتا ہے کہ جو مزدوری کر کے لاتا ہے وہ غریبوں کو دے۔ پہلے اس کا دل چاہتا تھا اس کام کو۔ اس میں اس کی خوشی تھی دل مردہ تھے' دماغ جو تھا وہ سمجھاتا تھا مادی فائدہ اٹھانے کو کوئی مرتا ہے یا جیتا ہے تم اپنا فائدہ اٹھاؤ اب دل زندہ ہے وہ آرزو کرتا ہے اس کی خوشی اس میں ہے کہ محنت تم کرو اور محتاجوں کی مدد کرو تم

Hundred Eighty ڈگری چینج آ گئی نا صرف دل کی حیات سے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں یہ تو میں نے۔

كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ ..... كَسَبَتْ۔ کہ پہلے لوگوں کی باتیں میں نے تمہیں اس لئے بتائی ہیں کہ جس راستے پر تو چل رہا ہے اس میں کیسے نشیب و فراز ہیں جو تجھ سے پہلے گزرے ان کی عملی زندگی نے ان کی زندگی کے راستوں کو کس طرح متاثر کیا اور ان کے انجام کو کس طرح سے متاثر کیا۔ پھر تجھے میں نے' بہت بڑی سواری سمجھ لیں' بہت بڑا ہتھیار سمجھ لیں' بہت بڑا زاد راہ سمجھ لیں' بہت بڑا کوئی راستہ دکھانے والا سمجھ لیں تو

قَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا۔ میں نے تجھے اپنی یاد کا روشن چراغ دے دیا جس میں اگر جسے تو تھامے رکھے تو تجھے بھٹکنے سے بچانے کا۔ ایک آدمی کو نظر ہی نہیں آتا وہ گڑھے میں گرے گا لیکن ایک ایک کے ساتھ لائٹ ہے اسے نظر بھی آ رہا ہے کہ آگے گڑھا ہے۔ اگر گرتا ہے تو سوچے گا سہی کہ مجھے نہیں گرنا چاہئے دوسرے کو پتہ ہی نہیں وہ تو دھڑام سے گر گیا۔ فرمایا میں نے تجھے اپنے پاس سے اپنی یاد' اپنا ذکر' اپنی کتاب' اپنے احکام' ہر وہ کام جس میں اللہ کی اطاعت وابستہ ہو وہ حقیقتاً" ذکر ہی کیا گیا۔ ہم جو عمل کرتے ہیں اللہ کی اطاعت کے لئے وہ عملاً ذکر ہے۔ قرآن کا ہر لفظ ذکر ہے' حدیث شریف ذکر ہے' تسبیحات کا پڑھنا ذکر ہے لیکن قرآن کا مطالبہ یہ بھی ہے کہ اس سارے کے ساتھ ہر لمحے میں بھی اللہ کی یاد کو دل میں سجائے رکھو اس لئے کہ

مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ جو اس سے اعراض کر گیا اسے جس نے چھوڑ دیا یا صرف نظر کر گیا۔ جو اعراض ہوتا ہے نا اس کا اردو میں صحیح ملتا ہے ترجمہ صرف نظر کرنا یعنی اس کو اہمیت نہ دینا سامنے ہے چیز تو بھی اسے دیکھ کر کوئی اہمیت نہ دینا اسے پک نہ کرنا اسے حاصل نہ کرنا۔ فرمایا جس نے یہ کیا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے' میرا گزارا چلتا ہے۔

فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا۔ اسے قیامت کو سمجھ آئے گی کہ جو بوجھ وہ اکٹھا کرتا رہا وہ کتنا بھاری تھا جب اس کے پاس وہ روشنی نہیں تھی تو جو کچھ دنیا سے وہ اٹھاتا رہا اس کی اسے تمیز بھی نہیں تھی کہ وہ پتھر اکٹھے کر رہا ہے یا سونا ہے۔ پہچان کا جو آلہ تھا اسے بتانے والی روشنی تھی وہ تو اس نے چھوڑ دی کہ اس کی مجھے ضرورت نہیں ہے کون اٹھائے پھرے اب وہ دنیا سے مختلف چیزیں جمع کر رہا ہے لباس کے معاملے میں بھی' غذا کے معاملے میں بھی' معاملات کے معاملے میں بھی' لوگوں سے ملنے جلنے میں بھی' والدین کے ساتھ فرائض کے معاملے میں بھی' اولاد کے ساتھ فرائض کے معاملے میں زندگی بھر فرائض کا اور اس کا حقوق کا تسلسل چلتا رہتا ہے اب وہ کہاں کہاں سے کیا کیا اٹھا رہا ہے۔ فرمایا وہ جو اس تاریکی میں اٹھا رہا ہے نا وہ کبھی کوئی اچھی چیز نہیں اٹھا سکتا۔ یہ دنیا کا نظام ہی ایسا ہے کہ اندھیرے میں اتفاقاً" کسی کو جواہرات نہیں ملتے ان کے لئے اسے تلاش کرنا پڑتا ہے' اسے پہاڑ کھودنا پڑتے ہیں' اسے مختلف آلات پاس رکھنے پڑتے ہیں تب کہیں مٹی چھان چھان کر اس سے سونا نکالتا ہے پتھر اٹھانے کے لئے کسی لائٹ کی ضرورت نہیں جس راستے میں جاؤ اٹھاتے چلے جاؤ۔ اگر یہ یاد الٰہی کی روشنی چھوڑ دی اس سے اعراض کیا اسے اہمیت نہیں دی۔

تو پھر ایسے لوگوں کو آخرت کے حساب کے دن سمجھ آئے گی کہ انہوں نے تو بڑا بوجھ لاد لیا اپنے اوپر۔ اور مصیبت یہ ہے کہ قیامت کے بعد یا موت کے بعد اسے تبدیل کرنے کے لئے کسی کو چھٹی نہیں دی جائے گی کہ

دوبارہ دنیا میں جائے اور وہ بری چیزیں وہاں پھینک دے اور اچھی چیزیں وہاں سے لے آئے پھر مصیبت یہ ہے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْھَا۔ پھر ہمیشہ وہیں ساتھ نبھانا پڑے گا واپسی کا کوئی راستہ نہیں کہ کوئی یہاں آ کر بدل لے۔ وہ دنیا ختم ہو گئی' وہ نظام ختم ہو گیا' وہ سسٹم ہی گیا اب جو کچھ لایا ہے اس کے ساتھ اسے ہمیشہ رہنا ہے اور فرمایا۔

سَآءَ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ کتنا بڑا بوجھ ہے جو اپنے لئے جمع کر کے لایا۔ کتنا تکلیف وہ ہے کہ زندگی بھر محنت کر کر کے اپنے لئے وہ بوجھ جمع کرتا رہا۔

نیکی کرنے میں صرف سستی ہے یا وہ قلبی زندگی کہہ لیجئے اس میں کمزوری ہے۔ دل سے ہم کلمہ پڑھتے ہیں الحمد اللہ ہمارے دل مرے تو نہیں لیکن اتنی ان میں قوت بھی نہیں ہے کہ وہ ہمیں پکڑ کر اس کلمے کی اطاعت پہ لا سکیں' بیمار ضرور ہیں' بے ہوش ضرور ہیں' سوئے ہوئے ضرور ہیں اگر جاگتے تو ایک خطا ہوتی تو دس نیکیاں بھی تو ہوتیں تو اس سے کوئی کمپنسیٹ Compensate بھی ہوتا اب تو ڈیبٹ ڈیبٹ چلتا رہتا ہے اور جو بندہ نماز پنجگانہ تک کا اہتمام نہیں کر سکتا تو وہ خود یہ سوچ لے کہ اور کسی نیکی کا تصور اس کے پاس کیا ہے۔ یعنی سب سے بڑی بات کہ جو براہ راست اللہ کی بارگاہ میں حاضری اور اللہ سے بات کرنے کی ہے اس کی اسے فرصت نہیں تو سرے بازار اطاعت کرنے کی فرصت کہاں سے آئے گی۔ اگر کوئی نیکی ہم سے ہو بھی جاتی ہے وہ تو ایک روش میں ہم چل رہے ہیں اور وہاں وہ ہو جاتا ہے اس میں ارادہ یا اس میں وہ قوت کہ نیکی کروں وہ مر جاتی ہے اور کوتاہیاں' سستیاں' غلطیاں یہ تو بوجھ بڑھتا رہتا ہے۔ فرمایا قیامت کو اس سے اندازہ ہو گا کہ یار میں تو سمجھا تھا کہ یہ تو معاملہ آسان ہے اور یہ جو کچھ میں کر کے بھول جاتا ہوں اور یہ چیز ختم ہوئی' یہ ختم تو نہیں ہوئی۔ تو اس سارے منظر کی تصویر کشی قرآن حکیم نے یہاں کر دی ہے۔ کہ یہ قصے سن کر خوش نہ ہو جایا کرو کہ فرعون جو بہت ظالم تھا اللہ نے اسے تباہ کر دیا' سامری جو تھا وہ بڑا بے دین تھا اس نے جھوٹ بولا اور لوگوں کو گمراہ کیا اللہ نے اسے غرق کیا۔ یہ میں قصے تمہیں اس لئے سنا رہا ہوں کہ کہیں تمہارے اندر بھی کوئی فرعون نہ چھپا بیٹھا ہو۔ اپنے آپ کو جج کرو کہ تمہاری سوچ کیا ہے تمہارا عمل کیا ہے اور تم کس سمت جا رہے ہو یا تم بھی سامری کی طرح لوگوں کو دھوکا دے کر ان سے بینیفٹس لے کر انہیں گمراہ تو نہیں کر رہے۔ فرمایا بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اوپر اس کو Apply کر کے دیکھو کہ یہ راہیں بڑی خطرناک ہیں تم ان سے بچ کر چلو تمہیں زندگی گزارنے کے لئے میں نے ایک روشنی' ایک نور' ایک ایسا آلہ دیا ہے کہ جو میری ذات کو سما سکتا ہے۔

حدیث قدسی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ زمینوں آسمانوں کی وسعتیں جو ہیں یہ میری تجلیات کو نہیں سمو سکتیں' تھوڑی پڑ جاتی ہیں۔ لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَآوِیْ۔ نہ میری زمین مجھے سما سکتی ہے نہ میرا آسمان۔

وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِ مُؤْمِنٍ۔ لیکن بندہ مومن کے دل میں میں نے وہ وسعت رکھی ہے کہ وہ میری تجلیات کو سمو لیتا ہے اتنی بڑی فرمایا میں نے تمہیں ایک مشین' اتنا بڑا ایک آلہ' اتنا بڑا ایک خزانہ دے دیا ہے کہ جو تجلیات ارض و سما کی وسعتیں نہیں سما سکتیں تمہارا یہ چھوٹا سا دھڑکتا ہوا دل سما سکتا ہے تو پھر بھی تم اس کی ساری زندگی نہ جستجو کرو نہ تلاش کرو نہ حاصل کرو نہ اسے پا سکو تو پھر تم آ کر یہ کہو کہ جی ہمیں تو پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ یہ غلط یا صحیح ہے ہم کر گزرتے تھے تو اس کا ذمہ دار کون ہے تو تمہیں اتنی بڑی روشنی میں نے دی' اتنی بڑی پاور دی' اتنی بڑی طاقت دی' اتنا بڑا ایک آلہ دیا جو جج بھی کرتا تھا بھلائی اور برائی کو برائی سے روکتا بھی تھا' بھلائی میں تمہاری مدد بھی کرتا تھا تو تم نے اسے کوئی Importance نہ دی اسے چھوڑ دیا۔ تم نے سمجھا یہ ضرورت نہیں ہے تو اس کے بغیر پھر تم اندھیرے میں بوجھ اکٹھے کرتے رہے' پتھر اٹھاتے رہے

فرمایا اب تو واپسی کوئی نہیں ہے اب انہیں اٹھاتے پھرو۔

تو قرآن حکیم نے زندگی کے فلسفے کو عمل کے ساتھ ترتیب دیا ہے کہ اپنے اعمال کو دیکھو۔ کوئی کام بھی ہم کرتے ہیں۔ میں نے خیرات کی مجھے ثواب ہوا' ثواب یہ ہے کہ میرے عمل کی کردار کی اصلاح ہو گئی تو اس پر مجھے آخرت میں انعام ملے گا' تبلیغ پر گئے ہیں چلہ لگایا ہے اور وہ بڑا ایک ملٹی پلائی کر کے بتا دیا جاتا ہے۔ اتنا ثواب' اتنا ثواب' اتنا ثواب ملتا ہے۔

ثواب ہے کیا؟ ثواب سے مراد یہ ہے کہ اتنا نیک اعمال ملٹی پلائی ہو کہ ہماری زندگی سدھر جائے چونکہ حساب و کتاب جو ہو گا جو پتھر لے کر جائے گا اسے جواہرات کی قیمت ملے یہ نہیں ہو گا۔ وہاں سے ان سنگریزوں میں سے کوئی ہیرا تلاش کر کے ہی لے جانا پڑے گا کہ وہ ہیرے کے پیسے حاصل کرے اگر محض پتھروں کی بوریاں بھرتا رہا کہ جی میں تو فلاں کا رشتہ دار تھا یا میں نے فلاں وظیفہ کیا تھا۔ ان پتھروں پر مجھے جواہرات کی قیمت بدل دیں۔ قرآن حکیم نے اس کو دوسرے انداز میں یوں بھی لیا ہے۔

یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ الحسنات۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہاں جب ہم ترجمے کرتے ہیں' اردو الفاظ میں تو ہم کہتے ہیں کہ قیامت کو اللہ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیں گے۔ یہ بڑا عجیب انصاف ہے کہ کچھ لوگ تو گناہ کرتے رہے ان کے گناہ نیکیاں شمار ہو جائیں اور دوسرے غریب جو نیکیاں کرتے رہے ان کی نیکیاں ریجیکٹ ہو جائیں کہ تم نے خلوص سے نہیں کیں۔ اصل یہ قاعدہ انسانی زندگی میں اپلائی ہوتا ہے کہ پہلے وہ گناہ کرتا تھا دن میں دس گناہ کرتا تھا اب اللہ نے اسے دس نیکیاں کرنے کی توفیق دی۔ گناہ صرف یہ نہیں ہوتا کہ گناہ چھوٹ گئے' گناہ بھی چھوٹے اور دس نیکیاں کرنے کی توفیق بھی مل گئی چونکہ حساب و کتاب جو ہے وہ تو طے شدہ بات ہے۔

مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ۔ جس نے رائی برابر نیکی سامنے رکھی ہے۔ **ومن یعمل مثقل ذرۃ شرا یرہ۔** جو اس نے قصور کیا ہو گا وہ بھی میدان میں رکھا ہو گا سیدھی سیدھی بات ہو گی۔ یہ تم نے کیا' یہ غلط کیا' یہ کیا' یہ صحیح کیا۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کریم مسلمانوں پر رحم فرمائے گا' پوچھے گا نہیں یہ کیوں کیا لیکن سامنے ضرور رکھے گا کہ تم نے یہ بھی کیا تم نے یہ بھی کیا تو یہ میرا کرم ہے کہ میں تجھے معاف کرتا ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کسی سے پوچھ لیا کہ تو نے یہ کیوں کیا۔

He Will Be Punished

تو اس کے پاس کوئی جواز نہیں ہے' علم کی کمی ہے نہ اسے قلبی روشنی کی کمی ہے نہ اس کی رہنمائی میں کمی ہے کیونکہ ہدایت کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا نبی بھیجا' اس کی رہنمائی کے لئے اپنی ذات کتاب بھیجی اسے سمجھنے کے لئے اسے ایک دل عطا کیا اور اس سے زیادہ وہ کیا چاہتا تھا تو اگر ان ساری چیزوں کی اسے فرصت ہی نہیں ملی اور وہ غلط راہ پہ چلتا رہا تو پھر اس کا ذمہ دار تو وہ ہے ہر چیز وہاں اس کے پاس موجود تھی۔ تو اگر یہ پوچھ لیا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو کسی کے پاس کوئی عذر کی جگہ نہیں ہے کہ یا اللہ میرے پاس نبی نہیں تھا یا مجھے تیرے حکم کا پتہ نہیں تھا یا میرے سینے میں کوئی دل تھا کہ میں سمجھتا۔ یہ ساری چیزیں اپنی جگہ موجود ہیں تو فرمایا جس سے یہ پوچھا گیا کہ یہ تم نے کیوں کیا۔

He Will Be Punished وہ نہیں بچے گا

اس دور کی ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم دین کو بھی مذاہب باطلہ کی طرح ایک رسم ایک Profession یا چند کلمات تک محدود کرتے ہیں۔ فلاں مرگیا اس کے لئے قرآن خوانی کرو۔ ٹھیک ہے کرو لیکن وہ تو گزر گیا یہ جو زندہ ہیں ان کو قرآن خوانی کیوں نہیں کراتے کہ اس کتاب میں ہے کیا' اصل جو قرآن بات کرتا ہے اس کا جو ہے تعلق وہ تو زندگی کے ساتھ ہے کہ تمہیں زندگی کس طرح گزارنا ہے،

اور ایک آدمی جو گزر گیا ہے۔ آپ نے قرآن پڑھا' قرآن پڑھنا ایک نیک عمل تھا اس کا ثواب تو آپ مرنے والے کو چھوڑ دیں' زندہ کو بھی دے سکتے ہیں کہ میں نے جو یہ میرا بیلنس ہے جو میں تیار کر رہا ہوں۔ میں چاہوں اپنے پاس رکھوں' میں چاہوں آپ میں سے کسی کو دے دوں۔ اللہ سے دعا کرنی ہے کہ جو فلاں بندہ ہے اس کا جو اجر بنتا ہے وہ اسے دے دو۔ Thats all

تو آپ نے پڑھنے کا جو اجر یا ثواب بنتا ہے وہ تو مرنے والے کو دے دیا لیکن آپ کے قرآن پڑھنے سے مرنے والا اٹھ کر اس پر عمل کرنے سے تو رہا تو اس کا عمل ختم ہو گیا تو جس کے پاس اب فرصت ہے کام کرنے کی' آپ اسے قرآن کیوں نہیں سکھاتے پہلے تو اسے سکھائیں جو لوگ رسومات میں چلے گئے ہیں کہ حج کر لیا سمجھا اب یہ زندگی بھر کا ہو گیا ختم ٹھیک ہے اب جو جی میں آئے کرو۔ رمضان آ گیا' روزے رکھ لئے' تراویح پڑھ لی' قرآن کریم سن لیا رمضان گیا تو ہم بھی چھٹی کر گئے۔ تو یہ جو اس سارے پراسس کے بعد ہم چھٹی کر جاتے ہیں نا' کم از کم میں اسے یہ سمجھتا ہوں کہ اس پراسس کو ہم نے Participate نہیں کیا بلکہ

ایک مجبوری ہے اور اس میں سے ہم بھاگ دوڑ کر نکل گئے جو اس میں ہماری شراکت تھی Participation تھی اس سے تو کچھ Cleaness آنی چاہئے تھی کچھ مزاج کو Polite ہونا چاہئے تھا۔ کچھ ہماری معلومات میں اضافہ ہونا چاہئے تھا اور ہماری پریکٹیکل لائف جو ہے اسے بدلنا چاہئے تھا تاکہ جو اس پہ اجر مرتب ہوتا ہے وہ ہم حاصل کر سکیں۔ تو کوشش یہ کیجئے۔

کہ قرآن کو سمجھئے۔ سارا قرآن پڑھنے سے قرآن کریم کی ایک آیت کا ترجمہ سمجھنے کی کوشش میں لگے رہنا بدرجہا بہتر ہے چونکہ اس کا مقصد یہ ہے قرآن کو دیکھنا بھی عبادت' چھونا بھی عبادت ہے' اسے سننا بھی عبادت ہے لیکن مقصد اس کا یہ ہے کہ آپ سمجھیں

It is a Letter From Almighty

Allah For You Only

آپ پڑھیں دوسری بات یہ ہے لوگ کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کا مفہوم پڑھنے سے گمراہ ہو جائیں گے تو قرآن مفہوم کے ساتھ پڑھنے سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔ ہوتا یہ ہے کہ گمراہی لے کر اس کے لئے جواز تلاش کرتے ہیں۔ قرآن سے وہ بددیانتی ہمارے دل میں پہلے ہوتی ہے۔ ہم قرآن کو قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے نہیں پڑھتے بلکہ جو ہم غلطی کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے جواز تلاش کرنے کے لئے پڑھتے ہیں ورنہ قرآن تو کتاب حیات ہے۔ اب اگر کوئی زندگی کی جو چیزیں اسباب ہیں ان سے مرتا ہے جیسے قوموں کی قومیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم پانی میں غرق ہو گئی پانی تو زندگی کا سبب ہے' ان کے لئے موت کا سبب بن گیا اس لئے کہ خرابی ان میں تھی پانی تو وہی پانی ہے جس سے آج بھی ہر چیز زندہ ہے تو یہ زندگی کا سبب ہے اگر اس سے کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اندر گمراہی لے کے آتا ہے تو بندہ خلوص سے پڑھے۔ قرآن پڑھنے کے لئے ہے اس سے بڑی بددیانتی کیا ہو گی کہ ہم اس لئے قرآن کی آیات تلاش کرتے ہیں کہ جو برائی میں کرنا چاہتا ہوں اسے کور کرنے کے لئے میں کس آیت کا ترجمہ تلاش کروں ایسے آدمی کو ہدایت کہاں نصیب ہو گی اور ایسے ہی لوگ گمراہ ہوتے ہیں چونکہ اللہ کا وعدہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جو خلوص سے میری جستجو کے لئے محنت کرے گا میں اسے اپنا راستہ دکھا دوں گا۔ ایک راستہ نہیں متعدد راستے اس پر کھول دیں گے دوسرا جو یہ کہا جاتا ہے قرآن سمجھنا یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں یہ مشکل بات ہے آپ بس پوچھ کر سمجھنا۔ قرآن کہتا ہے۔

لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔ میں نے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ ہے کوئی جو سمجھنا چاہتا ہو۔ یعنی قرآن پر عمل کرنا جس طرح ایک سکالر پر فرض ہے اس

طرح ایک گڈریئے اور چرواہے پر بھی فرض ہے اگر مشکل ہوتا تو گڈریئے کو تو اس سے مستثنیٰ کر دیا جاتا کہ بھئی اس لیول کے لوگ یا جو پی۔ ایچ ڈی ہیں یا ماسٹرز کی ڈگری رکھتے ہیں وہ پڑھ کر اس پر عمل کریں اور جو اس سے نیچے ہیں انہیں سمجھ ہی نہیں آتی ہر بندہ مکلف کیوں ہوتا۔ اب تو جتنا کوئی بہت بڑا علامہ اس پر عمل کرنے کا مکلف ہے' ایک عام انپڑھ گڈریا بھی اتنا ہی عمل کرنے کا مکلف ہے' اس کا مطلب ہے وہ بھی سمجھ سکتا ہے ساری زندگی نہ سمجھے تو الگ بات ہے۔

تو قرآن حکیم کا ایک معیار ہے بڑا سیدھا سا۔ آیت نازل ہوئی' صحابہ کرام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنائی اس کا مفہوم سمجھایا انہوں نے اس پر عمل کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی Confermation ہو گئی کہ اس آیت کا یہ مفہوم ہے آج بھی آپ یہ معیار سامنے رکھیں کہ یہ جو ترجمہ آپ پڑھ رہے ہیں کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی سکھایا تھا؟ صحابہ نے یہی سمجھا تھا؟ کوئی آپ کو دھوکا نہیں دے سکتا اس معیار سے جب آپ سمجھیں گے۔ آپ نے دیکھا جتنی ہماری یہ جو فرقہ بندی بنتی ہے سب سے پہلے وہ صحابہ پہ اعتراض کرتے ہیں اس لئے کہ صحابہ پر اگر اعتراض نہ کیا جائے تو پھر وہ ان اصل معنی سے باہر نکلنے نہیں دیتے۔ آج بھی اگر کوئی نیا فرقہ بنانا چاہیں تو جتنوں نے بنائے ہیں ان کو آپ دیکھیں تو سب کا اعتراض صحابہ پر جا کر ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے اسے حدیث صحیح نہیں آتی کوئی کہتا ہے یہ سیاسی طور پر ناکام تھا۔ بھئی اعتراض اصل کیا ہے اصل یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عملاً عمل کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصدیق فرمائی۔ ایک معنی معین ہو گیا اب جب اس معنی سے فرار کرنا چاہیں گے تو ان کے ساتھ ہمارا ٹکراؤ ہو گا تو اگر ہم اس ٹکراؤ سے بچیں اور اس انداز سے قرآن کا ترجمہ سیکھیں۔ تو مشکل نہیں ہے اللہ نے جو ہے یہ ہمیں مروا جاتا ہے۔ اگر ذاتی طور پر ہم جانتے ہوں تو شاید اس طرح سے ہم وقت ضائع نہ کریں۔

زندگی کے ساتھ ہمارا ایک ناقابل بھروسہ سا رشتہ ہے۔ ہمارے پاس اس کے دوسرے سرے کی کوئی خبر نہیں۔ یہ پتہ ہے کہ اسے ختم ہونا ہے کب' کہاں' کس لمحے' سفر میں یا دوستوں کے پاس یا کسی جہاز میں یا کسی ریل میں کوئی علم نہیں سانس آئی جائے گی یا نہیں' دوسری سانس کی فرصت ہے یا نہیں' تو قرآن کو سمجھنے کے لئے اور اس پر عمل کی محنت کے لئے ہمارے پاس فرصت نہیں کہ ہم یہ سوچیں کہ یہ ٹھہر کے کر لیں گے۔ اگر ہم مسلمان ہیں تو یہ ہماری حیات ہے کہ ایک آیت سمجھ آ جائے لیکن ابھی سمجھئے' دو آیتیں پڑھنے کی توفیق ملے اپنے اڑتالیس گھنٹوں میں' چوبیس گھنٹوں میں چوبیس نہ سہی' بارہ منٹ تو قرآن خوانی کے لئے رکھ لیجئے۔

کوئی ڈائجسٹ' کوئی رسالے' کوئی افسانے' کوئی ٹی۔ وی انجائے کرنے کے لئے ہمارا ٹائم کچھ نہ کچھ ہر طرف نکلتا ہے۔ گیمز کے لئے اپنے دوستوں کو ملنے کے لئے اس روزانہ کے پروگرام میں خواہ ایک آیت سمجھ لیجئے لیکن ایک آیت کا وقت ضرور رکھئے کہ ایک آیت قرآن سے بھی پڑھ کر اس کا ترجمہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ دنوں میں آپ کے پاس نالج جمع ہو جائے گا اور جب تک بندہ ذاتی طور پر نہیں جانتا اور اسلام اس کا اپنا مذہب نہیں بنتا دوسرے کے مذہب کو فالو کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ یہی ہوتا ہے کبھی بندوں میں پھنس گیا نماز پڑھ لی نہ تو نہ سہی' دیکھا دیکھی کا مذہب ہوتا ہے اور اسلام ایک عمل اور حقیقی مذہب ہے' خوبصورت ہے' آسان ہے' سمجھنا بھی آسان ہے' اپنانا بھی۔ جھوٹ بولنا مشکل ہے سچ کہنے کی بجائے چوری کرنا مزدوری سے بدرجہ مشکل۔ کوئی بھی غلط کام آپ زندگی کا کوئی بھی دیکھیں صحیح کرنے سے وہ غلط کرنا مشکل ہے۔ ہم ساری زندگی محنت کرتے رہتے ہیں غلط کرنے کے لئے اور جو سہل راستہ ہے آرام سے جس میں گزر سکتی ہے اسے اختیار نہیں کرتے اس لئے کہ ہمارا Lake Of Knowledge اسے آسان کیا ہے مشکل کون کرتا ہے۔

دردِ اُمت

ملک محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ **فلا یحزنک قولھم انا نعلم ما یسرون و ما یعلنون۔**

سورۃ یٰسین کی یہ مختصر سی آیہ کریمہ اپنے سیاق و سباق میں ایک بہت خوبصورت بات لئے ہوئے ہے اور وہ یہ کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا کرم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع نازک میں انسانیت کا درد اس قدر ہے کہ کافر اگر کفر پہ اصرار کرتا ہے تو اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا دکھ محسوس فرماتا ہے۔ یہاں بات یہ ہوئی کہ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو ایک شاعرانہ تعلی قرار دے دیا۔ کہنے لگے یہ باتیں خیال کی حد تک تو ٹھیک ہیں، تصور میں تو اس طرح سوچا جا سکتا ہے، کسی شاعر کی طرح خیالات میں تو یہ سب کچھ ممکن ہے لیکن عملی زندگی میں نہیں۔ یہ محض شاعرانہ تعلی ہے۔ شاعرانہ تعلی سے مراد یہ ہوتا ہے کہ جیسے شاعر زندگی بھر کبھی جھونپڑے سے باہر نہ نکلے لیکن اپنے شعروں کی زبان میں وہ آسمانوں پہ اڑ رہا ہوتا ہے، وادیاں طے کر رہا ہوتا ہے یا سمندروں میں ڈوب ابھر رہا ہوتا ہے۔ کبھی اس نے ہاتھ میں چاقو نہ لیا ہو لیکن اپنی نظم یا اپنے شعروں میں تو میدان کارزار میں پرخچے اڑا دے۔ اسے کہتے ہیں شاعرانہ تعلی۔ کہ جس بات کا عملی زندگی میں امکان ہو نہ ہو شعروں میں اسے خوبصورت الفاظ میں سجا کر مسجع و مقفی عبارت بنا کر اس انداز سے بیان کیا جائے کہ سننے والے کا بھی دل گرما دے۔ کفار نے ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعرانہ تعلی کیوں قرار دیا؟

یہاں بعض حضرات نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ کہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعر کہتے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ عرب شعر سے بخوبی واقف تھے۔ چرواہے، گڈریئے اور گھروں میں رہنے والی باندیاں اور کنیزیں جو شعر کہہ دیتی تھیں وہ آج بھی عربی ادب کا سرمایہ ہے۔ وہ جانتے تھے شعر کیا ہوتا ہے؟ یہاں بات شعر کی نہیں ہو رہی۔ یہاں اصل بات شاعرانہ تعلی کی ہو رہی ہے کہ جس طرح شاعر مفروضوں پہ بات کرتا ہے اسی طرح معاذ اللہ اللہ کا رسول اس دنیا میں، اس معاشرے میں، جہاں قیصر کی سلطنت ہے، جہاں کسریٰ کی حکومت ہے، جہاں ایک گھر میں دس دس بت براجمان ہیں، جہاں ساری دنیا کفر و شرک پہ متفق اور متحد ہو گئی ہے، جہاں ساری دنیا میں انسانوں کی اور فرعونوں کی خدائی ہے، جہاں بتوں کی خدائی ہے وہاں پر یہ سارا نظام کیونکر بدلا جا سکتا ہے؟ یہ کہتے ہیں کہ معاشی نظام کی بساط بھی لپیٹ دو اور سب کچھ یکسر بدل کر اس طرح کر دو جس طرح میں کہتا ہوں۔ وہ کہتے تھے یہ شاعرانہ تعلی تو ہو سکتی ہے مگر اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے اور اس لئے کہتے تھے کہ اگر کوئی ان کا ساتھ دے

گا تو وہ خود اپنی تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے' وہ اپنی بربادی کو دعوت دینے کے برابر ہے ممکن نہیں ہے کہ جو یہ کہتے ہیں وہ ہو جائے۔ سینکڑوں کی تعداد میں تو بت بیت اللہ میں براجمان ہیں یہ کہاں کہاں سے نکالیں گے؟ ہر گھر میں' ہر جیب میں' ہر دل میں ایک بت خانہ ہے۔ کتنے بت خانے یہ ڈھا دیں گے؟ اور پھر یہ کوئی محض فرضی طاقتیں نہیں ہیں' صرف مکہ نہیں ہے کہ مکے والوں پر یہ اگر غالب آ گئے تو دنیا سے کفر مٹ جائے گا۔ یہاں تو بڑے بڑے سلطان اور بڑی بڑی سلطنتیں اور بڑے بڑے لاؤ لشکر کے مالک لوگ بیٹھے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ان کی بات سے میرا نبی ہراساں نہیں ہوتا تھا۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج پہ یہ بات وارد نہیں ہوتی تھی کہ واقعی یہ مشکل ہے۔ ایسی بات نہیں تھی اس لئے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو پتہ تھا کہ وہ اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کائنات رب العلمین کی ہے اور وہ قادر ہے اور جو وہ چاہتا ہے' جب چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ وہ کر دیتا ہے۔ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو اس انقلاب کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ جو وہ لانا چاہتے تھے یا جس کے لئے وہ مبعوث ہوئے تھے صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم۔

نبی علیہ والصلوۃ والسلام کو ان لوگوں کی دانش پہ دکھ ہوتا تھا کہ یہ کیسے عجیب لوگ ہیں یہ اسباب و علل کو' یہ حکومت و حکمرانوں کو' یہ دنیوی طاقت اور دنیوی وسائل کو تو اہمیت دیتے ہیں لیکن اس بات کی ان کے نزدیک کوئی قدر ہی نہیں کہ کون کہہ رہا ہے؟ اور کس کی بات کہہ رہا ہے؟ یعنی ان کے نزدیک یہ اہم ہے کہ دوسری طرف قیصر ہے' دوسری طرف کسریٰ ہے' دوسری طرف بادشاہ ہیں' دوسری طرف فوجیں ہیں' دوسری طرف لاؤ لشکر ہے' کفار کی طاقت بڑی ہے' روئے زمین پر سارا کفر چھایا ہوا ہے' اس بات کو تو یکسر بھول گئے کہ اس ساری کائنات کے ایک ایک ذرے پر جس کی قدرت کا ملہ قابض ہے' ایک ایک متنفس کی جان جس کے دست قدرت میں ہے' ایک ایک شخص کی سوچوں پہ جس کا قبضہ ہے' کائنات کا ہر ذرہ جس کا مطیع ہے وہ چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا؟ اور پھر ان کی اس دانش پہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا تھا کہ میں مبعوث ہوا ہوں رحمتہ اللعالمین اور یہ بیچارے میری بعثت کے بعد بھی جہنم جائیں گے۔ تو ان کافروں کے جہنم جانے کا دکھ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم اپنی جان پہ لیتے۔ اس بات کو یہ آیہ کریمہ دہرا رہی ہے **فلا یحزنک قولھم حزن۔** قرآن حکیم نے اس لفظ کو متعدد بار استعمال کیا ہے۔ قرآن کی اپنی اصطلاحات ہیں' اپنی لغت ہے اور تمام لغتیں محتاج ہیں قرآن کے استعمال کی۔ صرف و نحو کی ایجاد بعد میں ہوئی قرآن کا نزول پہلے ہوا۔ ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہوئے اور عربی کی صرف و نحو بعد میں ترتیب دی گئی۔ قرآن اور حدیث ساری گرائمر کی اور لغت کی اصل اساس ہیں قرآن حکیم نے لفظ حزن اس جگہ استعمال کیا جہاں کسی دوسرے کے دکھ کی بات ہو رہی ہو۔ یعقوب علیہ السلام کو جب یوسف علیہ السلام کے دکھ نے اندھا کر دیا۔ رو رو کر آپ علیہ السلام کی آنکھیں سفید ہو گئیں تو قرآن فرماتا ہے۔

و ابیضت عینہ من الحزن۔ یوسف علیہ السلام کے دکھ سے' حزن سے آپ علیہ السلام کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ یعنی دوسرے کا دکھ' یوسف علیہ السلام کا دکھ تھا جس نے یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں سفید کر دیں۔ اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جب غار ثور میں کفار کے لشکر کو دیکھ کر آنسو ٹپکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لا تحزن۔** میری ذات کا دکھ محسوس نہ کر **ان اللہ معنا۔** ہم دونوں کے ساتھ اللہ بھی ہے' ہم اکیلے نہیں ہیں۔ تو قرآن دوسرے کا یا کسی محبوب ہستی کا یا جس کا آپ بھلا چاہتے ہوں اس کا نقصان ہونے پر جو احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ اسے حزن کہتا ہے۔

یہاں دوسری طرف کافر ہیں' غیر مسلم ہیں' منکرین

ہیں، معترضین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے والے ہیں اور اللہ فرماتا ہے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم **فلا یحزنک قولھم**۔ ان کی باتیں تیرے دل کو ان کی طرف سے دکھی نہ کر دیں۔ یار! تھوڑا سا تھوڑا سا اگر ہم فکر کریں، ذرا ہم یہ سوچیں کہ جس نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کافر کا کفر پہ اصرار پریشان کر دیتا ہے، دکھی کر دیتا ہے تو اگر اس کا حکم پڑھنے والے اور اسلام کا دعویٰ کرنے والے جب کافرانہ کام کرتے ہوں گے تو اس کے دل پر کیا گزرتی ہو گی؟ یعنی ہم اپنے کردار کو اپنے لئے نہ سہی، ہم اپنی ذات کو اپنی بہتری کے لئے نہ سہی۔ اس ہستی کے لئے درست کر لیں جو کافر کو کفر پہ دیکھ کر دکھی ہو جاتی ہے ہم پہ ایک ذمہ داری اور بھی ہے۔ ایک ذمہ داری تو اپنی ذات کی ہے کہ ہم مکلف ہیں ہمیں اللہ کے حضور جواب دینا ہے۔ ایک ذمہ داری ہم پر اپنی اولاد کی ہے، اپنے ماحول کی، اپنے معاشرے، اپنے پسماندگان کی ہے کہ ہم آنے والوں کو کیا دے کر جا رہے ہیں؟ ماحول کو ہم کیسا بنا رہے ہیں؟ کس رنگ میں ڈھال رہے ہیں؟ جس ماحول کو ہم جس رنگ میں ڈھال رہے ہیں کل ہماری اولاد کو اس میں جینا بسنا ہو گا، اس میں گزر بسر کرنا ہو گا۔ تو ہم اس اولاد کے لئے کیا چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ اس سے بھی بڑھ کر کتنی بڑی بات یہ ہے کہ کوئی ہمارے لئے کہیں اور بھی پریشان ہے۔ ایک تعلق ہمارا ایک ایسی کریم ہستی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہے کہ ٹھوکر ہمیں لگتی ہے اور ٹیس وہاں ہوتی ہے۔

میرے خیال میں اگر مسلمان کسی بھی دکھ کو محسوس نہ کرے تو بھی اسے اس احساس سے بیگانہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس کا کردار اس کے نبی علیہ السلام اور رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے باعث ایذا نہ بن جائے۔ عجیب بات یہ ہے کہ آج ہمارا صاحب دانش طبقہ جسے ہم دانش ور کہتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے مجھے ان کی دانش پر، سارے دانش وروں کا اس بات پہ سارا زور ہے کہ جناب اس موجودہ معاشی نظام کو بدلنا ممکن نہیں ہے۔ کیوں ممکن نہیں ہے؟ اس لئے کہ امریکہ میں سود ہے، یورپ میں سود ہے، چین میں سود ہے، روس میں سود ہے، ہندوستان میں سود ہے، جاپان میں سود ہے ساری دنیا پر سود ہے تو یہ معاشی نظام کیسے بدلا جا سکتا ہے؟ لیکن یہ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ یہ وہی دلیل ہے جو کفار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیا کرتے تھے اور ان کی عقل پر نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ماتم کرنے کو جی چاہتا تھا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھی ہوتا تھا۔ یار! یہ کیسے لوگ ہیں کہ یہ اسباب کو اتنا موثر جانتے ہیں اور مسبب الاسباب کی بات ہی نہیں کرتے۔ آج جب اسلام کا دعویٰ کرنے والا اپنے آپ کو دانش ور کہلانے والا یہی بات کرتا ہے تو کیا وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کے نبی علیہ والصلوۃ والسلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پہ کیا گزرتی ہے؟

مدینہ منورہ میں منافقین نے مسلمانوں سے کہا کہ بھئی میاں یہ جو تم اہل مکہ سے لڑنے کی بات سوچ رہے ہو اسے بھول جاؤ۔ تم میں وہ سکت ہی نہیں ہے کہ تم کافر دنیا کے مقابلے میں تلوار اٹھا کر آ سکو۔ اس کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا۔ نہ تمہارے پاس افرادی قوت ہے نہ تمہارے پاس مادی وسائل، نہ تمہارے پاس کوئی ٹرینڈ آرمی ہے نہ غیر ملکی یا کسی حکومت یا سلطنت کی امداد۔ آخر کس بل بوتے پر تم میدان میں نکلو گے؟ بھول جاؤ یہ باتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس بات کا دکھ اس لئے نہیں ہوتا تھا کہ یہ میرے لوگوں کا حوصلہ پست کر رہے ہیں۔ انہیں دکھ یہ ہوتا تھا کہ یہ بھی اللہ کے بندے ہیں اور ان کی سوچ کیسی الٹی ہے اور اس سوچ کے بدلے یہ بیچارے جہنم جائیں گے کاش یہ بھی بچ جاتے۔

آج صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے مدعی، دینی علم کے رکھنے کے دعویدار اور ہمارے مذہبی رہنما ہونے کے دعویدار اور بڑی بڑی جماعتوں کے سربراہ جو یہ کہتے ہیں کہ کفر کے ساتھ مسلح جدوجہد ممکن نہیں ہے۔ لیکن آج مجھے یہ تو بتائے کوئی کہ کافروں کی بات اس بات میں اور

ہماری اس سوچ میں فرق کیا ہے؟ مجھے تو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک قصور ہو گیا ہے۔ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ اس کی وجہ قرآن نے بتائی ہے فرمایا۔

و اتخذوا من دون اللہ الھۃ لعلھم ینصرون۔

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش شروع کر دی ہے کہ یہ ہماری مدد کریں گے۔ وہ بتوں کو پوجیں' مادی طاقتوں کو پوجیں' حکمرانوں اور حکومتوں کو پوجیں یا کسی ضابطے کو پوجیں لیکن انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی ہے۔ ان پر امیدیں باندھ رکھی ہیں۔ یہی قصور ہمارا بھی ہے کہ اللہ سے ہمیں امید نہیں رہی' کافر طاقتوں سے ہمیں امید ہے کہ یہ بچا بھی سکتے ہیں اور چاہیں تو تباہ بھی کر سکتے ہیں۔ یار! کیا آپ کو یہ بات عجیب نہیں لگتی؟ کون ہے جو اب یہ باتیں نہیں جانتا کہ اس ملک میں جس کو لیڈر شپ کی' حکومت کی یا اقتدار کی ضرورت ہوتی ہے وہ مغرب کو اور خصوصاً" امریکہ کی طرف بھاگتا ہے اور قسمیں اٹھا اٹھا کر وہاں وفاداری کا یقین دلاتا ہے کہ جناب میں آپ کا خادم رہوں گا مجھے آگے آنے دیجئے۔ اس ملک کا ہر بندہ خواہ پڑھا لکھا ہے یا ان پڑھ جانتا ہے کہ حکمران جماعت ہو یا اپوزیشن سیاسی جماعتیں ہوں سب کا قبلہ ایک ہی ہے اور سب وہیں جاتے ہیں۔ لیکن اللہ کی بات' اللہ کے دین کی بات' اسلام کی بات ہو تو وہ کرنے سے اس لئے گھبراتے ہیں کہ امریکہ بہادر خفا ہو جائے گا۔ کون سی جماعت ہے یہاں جو حکومت میں نہیں گئی اور کس جماعت نے حکومت میں آ کر بھی اللہ کو یاد رکھا ہے؟ اس اعتبار سے' دینی اعتبار سے سب برابر ہیں۔ دینوی اعتبار سے فرق ہو گا کوئی۔ کوئی زیادہ سخت مزاج ہو گا' کوئی نرم مزاج ہو گا۔ یا خود حکمرانوں کے بقول کسی نے زیادہ لوٹا ہو گا کسی نے کم لوٹا ہو گا' تو اس پہ مجھے یا آپ کو زبان کھولنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ایک دوسرے کے لئے ان کے اپنے ارشادات کافی ہیں۔ دونوں طرف معتبر لوگ ہیں وزیر اعظم اور صدر ہیں۔ کچھ سابقہ وزیر اعظم اور سابقہ صدور ہیں۔ دونوں طرف قابل قدر ہستیاں ہیں اور میرے خیال میں سب کی بات مانی جانی چاہئے اور سارے سچ ہی کہتے ہیں کہ اگر اتنے بڑے لوگ بھی جھوٹ بولتے ہیں تو سچ کون بولتا ہو گا ملک میں؟ اور سارے سچ کہتے ہیں تو پھر سارے چور ہیں۔ بچتا تو کوئی نہیں۔ اس کے لئے مجھے یا آپ کو لب کشائی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس موضوع پہ بات بھی نہیں کر رہا۔ میں بات یہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ کردار ہمارے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ہمارے تعلقات کو کیسا بنا رہا ہے۔

چونکہ دنیا میں بہت سے جرائم ہیں جن پہ اللہ کریم بہت ناراض ہوتے ہیں لیکن سب سے زیادہ جس بات پہ ناراض ہوتے ہیں وہ ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ انسانی تاریخ اس پہ گواہ ہے جتنی قومیں دنیا میں تباہ ہوئیں' غرق ہوئیں اس کا سبب ایذائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ ورنہ نبی مبعوث ہونے سے پہلے بھی تو وہ کافر تھے وہ غرق کیوں نہیں ہو گئے؟ اگر وہ قوم جھوٹی تھی تو نبی مبعوث ہونے سے پہلے جھوٹ بولا کرتے تھے' نبی کے مبعوث ہونے سے پہلے گناہ کیا کرتے تھے اور وہ برداشت ہوتے رہے۔ جب نبی مبعوث ہوا نبی کی تعلیمات کا مذاق اڑایا اور اپنے فسق و فجور کی حمایت میں کھڑے ہو گئے تو انہیں تباہ کر دیا گیا۔ کافر کا جو انجام ہو گا اس پر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہاں میں آپ کو ایک بات بتاتا چلوں میری سمجھ کے مطابق امریکہ کا اتنا برا حال ہو گا جتنا میں اور آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں اس حال کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نے وہاں امریکہ میں بھی بارہا رہ کر دیکھا ہے' جا کر دیکھا' امریکہ اس وقت بھی دنیا کی حکومتوں میں سب سے زیادہ مقروض گورنمنٹ ہے سب سے زیادہ بھوکا شہری امریکن ہے۔ آج بھی امریکہ کی ساٹھ فیصد آبادی ایسی ہے جس کے پاس سر چھپانے کو جگہ نہیں' جو فٹ پاتھ پہ گذرا کرتے ہیں اور بے روزگار ہیں۔ شراب پی کر نالیوں میں پڑے ہوئے لوگ وہاں گنے نہیں جاتے۔ دنیا میں امریکہ واحد ملک ہے جو محض لوٹ مار پہ زندہ ہے اس کے پیسے کھا' اس سے چھین' اس سے لے'

اس کو لوٹ' ساری معیشت امریکہ کی صرف اس بات پر ہے۔ امریکہ دنیا کا واحد ملک ہے جس میں امریکہ کا کوئی باشندہ نہیں ہے۔ بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ امریکہ وہ واحد ملک ہے جس میں سارے باشندے غیر امریکی ہیں کیونکہ امریکہ کے رہنے والوں کو تو انہوں نے نابود ہی کر دیا اب سارے باہر سے گئے ہوئے لوگ ہیں اور سارے بدمعاش ہیں۔ جس زمانے میں لوگ امریکہ جا کر رہائش پذیر ہوئے' اس زمانے میں اپنے ملکوں سے وہ لوگ نکلتے تھے جن کے لئے ملک میں رہنا ممکن نہیں ہوتا تھا۔ یوں یورپ کے' سپین کے' ایشیا کے' افریقہ کے سب چور و بدمعاش وہاں ہیں۔ پھر انہوں نے اپنے لئے جو گڑھا کھودا وہ یہ تھا کہ یہ لوگ افریقہ میں انسانوں کو پھندے لگا کر اور جال لگا کر اس طرح شکار کرتے تھے جس طرح جنگلی جانور شکار کئے جاتے ہیں۔ جہازوں میں انہیں بھر کر لاتے اور جانوروں کی طرح بولیاں لگا کر بالٹی مور میں بیچتے اور پھر ان سے ہی غلامی کا کام لیتے۔

اب وہ نسل بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہاں اتنے سفید فام نہیں ہیں جتنے سیاہ فام ہیں اور ان کا سفید اور سیاہ کا پنجابی محاورے کے مطابق "ایٹ کتے کا ویر ہے" امریکہ میں جس دن فساد شروع ہو گا تو جن کی کوئی پیچھے واقفیت ہے وہ تو بھاگ جائیں گے وہاں سے لیکن جو وہیں رہ گئے وہ (گورے اور کالے) ایک ایک شہر' ایک ایک گلی اور ایک ایک گھر میں لڑیں گے۔ امریکہ کے ایک ایک گھر میں آگ جلے گی' ایک ایک چھت کو جلائے گی اور امریکہ کا حال باعث عبرت بن جائے گا اور یہ ایک عام سی بات ہے۔ ہر بندہ یہ سمجھ سکتا ہے۔ لیکن حیرت ہے ہمارے مسلمان رہنماؤں پر جو اسے خدا سے زیادہ اہمیت دیئے ہوئے ہیں۔ اللہ کی بات کی طرف نہیں آتے کہ اس سے تو اقتدار چھن جائے گا امریکہ کی بات کرو۔

اور یہ یاد رکھیں کہ اس معمورہ عالم کو تب تک ہی قائم رہنا ہے جب تک اس میں اسلام ہے۔ اسلام اللہ کا دین ہے اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی نبوت اس کائنات کی روح ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے گذراش کی گئی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب قائم ہو گی؟ فرمایا **حتی لا یقال اللہ اللہ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** کہ جب اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہیں رہے گا تو معمورہ عالم کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر اسلام رہے گا تو دنیا باقی رہے گی۔ لیکن اس میں یہ سمجھئے کہ تب ہی ہم ہوں گے اگر ہمارا یہ کردار رہا کہ ؎

بتوں کو تجھ سے امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اگر ہمارا غیر اللہ سے امیدیں اور دین برحق اور اللہ سے ناامیدی کا یہی عالم رہا جو اب ہے تو وہ قادر ہے۔ **عسی ان یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ۔** وہ چاہے تو ہمیں نابود کر دے کسی اور قوم کو ایمان عطا کر دے۔ اگر امریکہ کو بچانا اسے منظور ہو گا تو شاید وہ امریکہ والوں کو ایمان عطا کر دے گا' شاید کسی اور قوم کو ایمان کی توفیق عطا کر دے گا۔ شاید دنیا کے کسی اور خطے کے لوگ یہاں بھیج دے گا۔ جو اس کے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں بردار ہوں گے۔ اور یہ یاد رکھیں اسلام ضرور رہے گا کہ ہمارا وہ محتاج نہیں ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے "اسلام خطرے میں ہے" تو یہ بات غلط ہے۔ ہم خطرے میں ہیں اسلام کو چھوڑ کر' اسلام خطرے میں نہیں ہے۔ ہمارے لئے اسلام کے باہر نہ کوئی جائے پناہ ہے نہ جائے امان اور نہ ہی کسی سے امیدیں وابستہ کرنے کا کوئی طریقہ ہے۔

میں آپ کو رمضان المبارک کے حوالے سے یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ مسلمانوں نے رمضان المبارک کو اس انداز سے لیا ہے کہ یہ بخشش کا مہینہ ہے اور جو رمضان کو پا گیا اس کی تو عید ہو گئی' اسے حوریں بھی ملیں گئیں' جنت بھی مل گئی' تصور بھی مل گئے۔ بات تو درست ہے لیکن جس نے رمضان کو پایا **ایمانا و احتسابا** نبی علیہ السلام نے ایک قید لگائی ہے چھوٹی سی۔ **من صام ایمانا و احتسابا** جس نے ایک روزہ بھی رکھ لیا اس لحاظ سے کہ

ایک تو اس کا یقین درست ہو' عقیدہ وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا پھر احتساباً" اپنا محاسبہ بھی کرے' خود کو تلاش بھی کرے کہ اسے ہونا کہاں چاہئے تھا اور وہ کھڑا کہاں ہے؟ پھر تو تلافی مافات ہو سکتی ہے۔ اگر آج ہم یہ تجزیہ کر لیں کہ ہمیں کرنا کیا چاہئے تھا کرتے کیا رہے؟ سوچنا کیا چاہئے تھا سوچتے کیا رہے ہیں؟ ہمارا کردار ہونا کیا چاہئے تھا اور ہم نے اپنایا کیا ہے؟ اور پھر اس غلط روش کو چھوڑ کر حق کو اپنا لیں تو وہ ایک لمحہ ساری نعمتوں کو پانے کے لئے کافی ہے لیکن اگر یہ نہ کیا جائے تو محض رمضان تو جانوروں پر بھی گزر رہا ہے' کافروں پر بھی گزر رہا ہے' بدکاروں پر بھی گزر رہا ہے۔ محض رمضان سے کچھ نہیں ہو گا۔ اس خوش فہمی میں رہنا کہ میں نے اتنے نفل پڑھے لئے اچھا کیا' اتنی تسبیحات پڑھیں بہت اچھا کیا' اتنا ذکر کیا بہت اچھا کیا۔ یہ تو تیری ذات کا تیرے رب کے ساتھ معاملہ تھا۔ لیکن بحیثیت مسلمان اللہ کا رسول ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کا ایلچی ہے ہر مسلمان۔ تو فرمایا کہ اگر کسی کے پاس میرا ایک جملہ بھی ہو۔

بلغوا عنی میری طرف سے وہ آگے پہنچائے

بلغوا عنی میری طرف سے وہ بات آگے پہنچاؤ **ولو کان** ایہ۔ میرا ایک جملہ تمہارے پاس ہے تو وہ امانت ہے میری تمہارے پاس تم میرے ایلچی ہو میری وہ بات دوسرے انسانوں تک پہنچاؤ۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آگے پہنچانے کی بجائے ناامیدیاں پھیلا رہے ہوں۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ رمضان کا فائدہ ہمیں ہو گا۔ کیا' کیا' کیا ملے گا ہمیں رمضان المبارک سے؟ یہ تو جرم بن جائے گا کہ تم وہ ہو جو رمضان میں بھی نہ بدل سکے۔ دیکھیں نا ہم حج کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حج کرنے والا اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جیسے وہ آج پیدا ہوا ہو تو کیا جب ہم واپس آتے ہیں تو ہم ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے آج کا کم سن معصوم بچہ' بھولا بھالا سیدھا سادھا۔ نہ جھوٹ بولتا ہے' نہ فریب کرتا ہے' نہ چوری کرتا ہے' نہ گالی دیتا ہے کیا ہم ایسے ہو جاتے ہیں؟ تو جب نہیں ہوتے تو اس کا مطلب ہے سیرو تفریح ہو گئی حج نہیں ہوا۔ حج ہوتا تو ہم میں وہ تبدیلی بھی آتی پکنک ہو گئی' سیرو تفریح ہو گئی' کچھ خرید و فروخت ہو گئی' لوگوں سے ملاقات ہو گئی یہ سب ہو گیا لیکن حج نہیں ہوا۔ حج اگر ہوتا تو پھر ہم واپسی پر بھولے بھالے' سیدھے سادھے' کھرے کھرے مسلمان ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال یہ دی ہے "جیسے آج کوئی بچہ پیدا ہوا ہو" جو بچہ آج پیدا ہوتا ہے وہ تو کسی سے فریب نہیں کرتا' کسی سے دھوکا نہیں کرتا' کسی کی چوری نہیں کرتا' کسی کو گالی نہیں دیتا' کسی کا مال نہیں کھاتا تو ہم اگر یہ سب کر گزرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ سیرو تفریح تو ہو گئی حج نہیں ہوا۔ حج ہوتا تو ہم میں وہ تبدیلی بھی آتی۔ اسی طرح رمضان میں اگر جنت مفت کوڑیوں کے بھاؤ بک رہی ہے تو ہمیں دیکھنا یہ ہو گا کہ میرا کردار کیا اہل جنت کا ہو گیا ہے؟ اگر تو ہمیں خود اطمینان ہو جائے کہ یار میں جو کچھ کر رہا ہوں یہی اہل جنت کے شایان شان ہے تو درست لیکن اگر اپنا مزاج' اپنا ضمیر بھی ملامت کر رہا ہو تو سمجھ جاؤ کہ پھر رمضان سے بھی ہمارا کچھ نہیں بگڑا۔ رمضان آیا بیت گیا اور شاید یہ ایک اور جرم بن جائے کہ بدمعاشو! اس مقدس مہینے میں بھی تم ویسے ہی رہے۔

اور پھر یہ سوچو کہ اس بات کا دکھ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کتنا محسوس فرمائیں گے۔ رمضان بیت گیا یعنی منوں صابن لگ گیا اور دامن پھر میلے کا میلا۔ کیا فائدہ؟ آپ لوگ میری خاطر نہ سہی کسی پیر صاحب مولانا یا سیاسی جماعت کے لئے نہ سہی' حکومت یا اپوزیشن کے لئے نہیں۔ اپنے اس تعلق کے لئے جو آپ کو اپنے نبی علیہ السلام سے ہے سوچئے! آپ خود اپنے لئے فیصلہ کیجئے۔ میں آپ کو صرف یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ اللہ کی کتاب کو پڑھئے' اس کا مفہوم سمجھئے' اپنی ذمہ داری' امید اسلام کو (Own) اون کیجئے۔

اسلام کو اپنایئے کہ میں مسلمان ہوں' اللہ میرا ہے' قرآن میرا ہے' یہ میری طرف بھی نازل ہوا ہے' اس لئے اس نگاہ سے پڑھئے کہ یہ اللہ کی چھٹی آپ کے نام ہے کیا کہتا ہے؟ کیا فرماتا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ اپنے نبی علیہ والصلوۃ والسلام کے فرامین خود پڑھئے آپ مجھے بھی رہنے دیں' دوسرے حضرات کو بھی رہنے دیں۔ ہر کسی نے اپنی قبر میں جانا ہے اپنا جواب دینا ہے' آپ اپنی تیاری کیجئے کہ عرصہ محشر میں آپ اپنے پروردگار کے سامنے کیا لے کے جائیں گے؟ آپ کے کندھوں پہ تو بار امانت ہے پوری انسانیت کا۔ سارے انسانوں کو چھوڑ دو کم از کم عرصہ محشر میں ایک وجود کا گریبان تو ہمارے ہاتھ میں ہو کہ یا اللہ ااس وجود پہ میں نے تیری حکومت قائم کر دی تھی خواہ وہ ہمارا اپنا وجود ہی ہو۔ کم از کم ایک وجود تو ہو۔ اس ایک کو تو حرام کاری سے' جھوٹ سے' قتل و غارت سے بچا لیجئے۔ شاید' شاید یہ چھوٹی سے کوشش ہی نجات کا سبب بن جائے لیکن کچھ کیجئے تو سہی!

میرے پاس تو خط بھی آتا ہے اس میں یہی ہوتا ہے کہ "کوئی وظیفہ لکھیں کہ فلاں کام ہو جائے" میں بارہا لکھتا ہوں کہ یار' اس دین کو تو آخرت کے لئے اور کردار کی اصلاح کے لئے رہنے دو اسے ہی دنیا کا ذریعہ بنا لیا تو پھر دین کس کام کا؟ یعنی اب اگر آپ نے نفل اور وظیفے بھی اس لئے پڑھنے ہیں کہ یہ کام ہو جائے' وہ ہو جائے تو یار پھر اس کے لئے کسی کو رشوت دو' کسی کی منت کرو' دین کو رسوا تو نہ کرو۔ اور اگر دین کو دین سمجھتے ہو تو اسے قرب الٰہی کا ذریعہ بناؤ۔ اسے اپنے اصلاح احوال کا ذریعہ بناؤ۔ اسے گناہوں سے باہر آنے کا سبب بناؤ۔ اسے اپنی روش کو سلجھانے کا سبب بناؤ۔ یہ بھی دال روٹی کا ہی سبب بن گیا تو باقی بچا کیا؟

اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اگر اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو خوش نہ کر سکیں تو کم از کم اپنے نبی علیہ والسلام کو ازردہ خاطر تو نہ کریں۔ اتنا احساس تو کم از کم مسلمان میں ہونا چاہئے کہ اگر وہ اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو خوش نہیں کر رہا تو آزردہ خاطر تو نہ کرے۔

مکان برائے فروخت

او سیہ سوسائٹی لاہور میں اکنال پر مشتمل مکمل مکان برائے فروخت ہے۔ صرف سلسلہ عالیہ سے منسلک افراد رجوع فرمادیں

برائے رابطہ: چوہدری محمد برکت۔ سوسائٹی انجینئر

فون نمبر: 5113956

دعائے مغفرت

۱۔ ظفر اقبال کے والد بزرگوار قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

۲۔ محمد افسر (منارہ) کے والد ماجد قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔

ان کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بقیہ: ملی یکجہتی کونسل

تو میری گذارش اس بیان کی وساطت سے اپنے ان علماء کرام سے ہے کہ وہ اس اتفاق و اتحاد کے طریقہ کار' اس کے مقصد اور اس کے اہداف کی وضاحت فرمائیں اور آپ حضرات سے بھی' اللہ گواہ ہے میں آپ حضرات سے بھی کہہ رہا ہوں کہ اس نظام میں ووٹ دینا بہت بڑی جھوٹی گواہی دینے کے برابر ہے۔ کوشش کیجئے اپنا دامن بچایئے۔ اب صرف ووٹ نہ دے کر ہم نہیں بچ سکتے۔ اب وقت ہے کہ اگر اس نظام کے ووٹوں کا زمانہ پھر سے آ جائے تو اس کے آنے سے پہلے سر میدان یہ مطالبہ کریں کہ انتخاب کا شرعی اور اسلامی طریقہ اپنایا جائے۔ ان لوگوں کو منتخب کیا جائے جنہیں شریعت آگے لانا چاہتی ہے' جو اس کی اہلیت اور استعداد رکھتے ہیں۔

ملی یکجہتی کونسل کیلئے

ملک محمد اکرم اعوان

آج معمورہ عالم پھر سے ایک خرابے میں تبدیل ہو چکا ہے۔ آج دنیا کا کوئی ملک اور کسی ملک کا کوئی شہر ایسا نہیں جہاں بندوقیں آگ نہ اگل رہی ہوں۔ جن ممالک کو بظاہر ہم بڑا پر امن سمجھتے ہیں ان میں بھی بدامنی اپنی انتہا کو چھو رہی ہے۔ حتیٰ کہ آج پوری دنیا میں فقط امریکہ خود کو سپر پاور کہتا ہے اور ایک طرح سے پوری دنیا کا پولیس مین بنا ہوا ہے۔ ہر جگہ امن کے لئے' انصاف کے لئے کوششیں کر رہا ہے لیکن اگر امریکہ کا اپنا حال دیکھا جائے تو سب سے زیادہ جرائم اس وقت امریکہ کے اندر ہو رہے ہیں۔ اس کا کوئی شہر محفوظ نہیں' کوئی قریہ پر امن نہیں۔ امریکہ میں جرائم کی شرح کے ایسے اعداد و شمار چھپے تھے جنہیں پڑھ کر آدمی کا سر پھر جاتا ہے۔ گویا جو خود کو دنیا کا چیمپئن کہتا ہے جب خود اس کا یہ حال ہے تو باقی اقوام کا کیا حال ہو گا؟ برطانیہ میں شام کے بعد کوئی باہر نہیں نکل سکتا۔ یورپ کے دوسرے ممالک کا یہی حال ہے۔ آپ روزانہ پڑھتے ہوں گے اغوا' زنا بالجبر' ڈکیتی روز کا معمول ہے بلکہ پچھلے دنوں ایک عورت پر مقدمہ چل رہا تھا کہ اس نے محض تفریح طبع کے لئے پانچ سات عورتیں قتل کر دیں جو کہیں اکیلی نظر آئی قتل کر دی۔ افریقہ ان سب اقوام مغرب کے لئے ایک سونے کی کان ہے لہٰذا وہ لوگ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹے ہوئے اس ملک کے کبھی طرف دار بن جاتے ہیں اور کبھی مخالفت کرتے ہیں۔ کبھی اسے اسلحہ بیچتے ہیں' کبھی اس کے سونے کے ذخائر اور ہیروں کی کانوں پر نظر رکھتے ہیں۔ لڑاتے بھی خود ہی ہیں' انصاف بھی خود ہی کرتے ہیں اور سب سے زیادہ انسانی خون (اگر بحیثیت براعظم دیکھا جائے تو) وہ افریقہ میں بہہ رہا ہے۔ چین کا' جاپان کا (جو بڑے پرامن ملک ہوا کرتے تھے) یہی حال ہے آپ نے جاپان کا وہ حادثہ سنا ہو گا کہ پورے ریلوے سٹیشن پر انہوں نے گیس سے کتنے لوگوں کو مار دیا۔ آئندہ گھروں میں مار رہے ہیں۔ یہ تو ایک پوری دنیا کا حال ہے اب اس حال میں اس خرابی کی دوا' اس خرابی کا علاج' ان مصائب کا' ان پریشانیوں کا' ان مسائل کا حل مسلمان کے پاس تھا۔ لیکن آج مسلمان خود ان سب سے زیادہ ذلیل اور رسوا ہے۔ دنیا کے ہر خطے میں مسلمان کا خون بہایا جا رہا ہے۔ **من حیث القوم** تمام اقوام عالم میں سب سے زیادہ ظلم جس قوم پر ہو رہا ہے وہ مسلمان ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ کافر تو ظلم کرتا ہی ہے مسلمان کہلانے والا مسلمان پر جو ظلم کرتا ہے وہ کافر بھی نہیں کرتا۔ ہمارے ٹی۔ وی کے خبر نامے میں' ریڈیو کی خبروں میں' اخبارات میں بڑی فریاد گونجتی ہے آرمڈ فورسز (Armed Forces) کے خلاف' ہندوستان کی فوجوں کے خلاف کہ اتنے نہتے کشمیریوں کو قتل کر دیا' جلا دیا اتنی

گاڑیاں جلا دیں لیکن جو لوگ وطن عزیز میں کراچی میں' حیدر آباد میں' لاہور میں' راولپنڈی اسلام آباد میں مارے جا رہے ہیں انہیں کون ہندو مار رہا ہے؟ اگر ہندو انہیں کشمیر میں قتل کر رہے ہے تو یہ ہندوؤں کی اور کشمیری مسلمانوں کی جنگ ہے

THEY ARE AT WAR وہ مسلمان بھی مقابلے میں ہندو کو مار رہے ہیں' اس پر حملے کرتے ہیں' ہندوستانی فوج سے باقاعدہ لڑ رہے ہیں۔ لیکن یہ جو کراچی میں مرتے ہیں یہ کس سے لڑ رہے ہیں؟ اور انہیں کیوں مارا جا رہا ہے؟ اور یہاں کونسا ہندو ہے؟ بڑے آرام سے ہماری حکومت کہہ دیتی ہے کہ "اس میں غیر ملکی ہاتھ ہے" یعنی غیر ملکی ایجنسیاں اتنی مضبوط ہیں کہ وہ ہمارے شہروں کے اندر اپنا ہاتھ ڈال کر تباہی پھیلا رہی ہیں۔ تو جو لوگ اس ملک کی حکومت کے سربراہ بنے ہوئے ہیں وہ کہاں سوئے ہوئے ہیں؟ یہ اگر اپنا ہاتھ ان کی چادر تک نہیں پھیلا سکتے تو اپنے لوگوں کی حفاظت کرنے کے لئے اس ہاتھ کو پکڑ تو سکتے ہیں' کاٹ تو سکتے ہیں اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ان کا حکومت میں رہنے کا یا پبلک سے ٹیکس لینے کا جواز کیا ہے؟

مسلمان فاتحین نے ایک شہر فتح کیا (شمال مغرب میں) جتنے غیر مسلم تھے ان سے جزیہ لیا گیا۔ مسلمان غیر مسلم پر حفاظت کی ذمہ داری نہیں ڈالا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی فوج مجاہدین کی فوج ہوتی تھی اور مسلمان جنگ نہیں' جہاد کرتے تھے اور کافر جہاد میں حصہ دار نہیں ہوتا تو جو غیر مسلم ہوتے تھے' شہر میں ان سے ٹیکس لیا جاتا تھا۔ جسے جزیہ کہتے تھے وہ ٹیکس جب مسلمان لے لیتا تھا تو ان کی جان' مال' آبرو کی ذمہ داری مسلمان پر ہوتی تھی یعنی ان کی طرف سے بھی مسلمان دفاع کیا کرتے تھے۔ سوئے اتفاق جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کو وہ شہر خالی کرنا پڑا۔ مفتی جو لشکر کے ساتھ تھے انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ اسلامیان عرب اگر شہر خالی کرنا چاہتے ہیں تو غیر مسلموں سے حفاظت کا ٹیکس (جزیہ) جو انہوں نے لیا ہے پہلے وہ ان کو لوٹائیں۔ اگر ان کی حفاظت نہیں کر سکتے تو ان سے لیا ہوا ٹیکس مسلمانوں پر حرام ہے۔ ایک ایک غیر مسلم کو اس کا جزیہ لوٹا دیا گیا تب فوج وہاں سے پیچھے ہٹی۔ تو اگر ہمارے حکمران اور ہماری حکومت یہ کہتی ہے کہ ملک میں ہونے والے فسادات میں غیر ملکی ہاتھ ہے اور یہ لوگ اس غیر ملکی ہاتھ کو روک نہیں سکتے تو پھر انہیں اس پبلک (عوام) سے' اس مخلوق سے ٹیکس لے کر ان پر حکومت کا کیا حق حاصل ہے؟

اب اس سارے منظر میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ مسلمان تو سارے ہی دین میں برابر کے ذمہ دار تھے۔ مناصب اپنے اپنے عہدے' اپنے اپنے علم' اپنا اپنا ورع تقویٰ اپنا اپنا لیکن ذمہ دار سب ہوا کرتے تھے۔ ہر مسلمان اللہ کا سپاہی ہوتا تھا اور مسلمانوں کا نام ہی حزب اللہ (اللہ کی فوج) تھا۔ لیکن ہماری بد قسمتی کہ ہم نے دین کو صرف اور صرف علماء کی ذمہ داری سمجھا باقی سارے مسلمان خود کو اس سے بری الذمہ سمجھتے ہیں۔ اور کہہ دیا جاتا ہے کہ علماء اتفاق نہیں کرتے' علماء جمع نہیں ہوتے' علماء اس برائی کا مقابلہ نہیں کرتے' علماء اپنی اغراض میں پھنسے ہوئے ہیں اور علماء اتحاد نہیں کرتے۔ لیکن کیا یہ اتحاد' برائی کا مقابلہ' اسلام کی بات کرنا یہ صرف علماء کا کام ہے؟ کیا صرف علماء مسلمان ہیں؟ ہم تم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا اسلام صرف علماء کا ہے؟ نبی علیہ الصلوۃ والسلام صرف علماء کا ہے؟ قرآن صرف علماء کا ہے؟ رب العلمین صرف مولوی کا ہے؟ یا تمام مسلمانوں کا اس پر ایمان ہے؟ قرآن جب حکم دیتا ہے نیکی کو پھیلانے اور برائی کو روکنے کا تو کیا صرف مولوی کو دیتا ہے؟ وہ تو ہر مسلمان کو اس میں برابر کا خطاب کرتا ہے۔ اور قرآن حکیم کی ذرا وسعت نظر دیکھئے اور اللہ کا حکم اور اللہ جل شانہ کی عفو و درگزر پہ نظر کیجئے۔ وہ تو اسلام کو بنی آدم کا پرابلم بتاتا ہے کہ اے نوع انسانی تمہیں اسلام کی ضرورت ہے اور اسلام تم سب کے لئے ہے۔ قرآن جب خطاب کرتا ہے تو وہ فرماتا ہے۔

یابھا الناس۔ اے اولاد آدم! کوئی گورا ہے یا

کوئی کالا' کوئی مشرق میں ہے یا مغرب میں' کوئی شمال میں بستا ہے یا جنوب میں' کوئی بت پوجتا ہے یا آگ پوجتا ہے' کوئی سورج کا پجاری ہے یا ستاروں کا قرآن حکیم سب کو بلاتا ہے۔ اے اولاد آدم! تم جہاں ہو جیسے بھی ہو۔ **قد جاء تکم موعظۃ من ربکم۔** جس نے تمہیں پیدا کیا ہے' جس نے تمہیں زندگی دی' تمہیں اوصاف عطا کئے' قوتیں عطا کیں' سمع و بصارت عطا کی' عقل و شعور عطا کیا' مال و دولت عطا کیا' اس پروردگار نے جو تمہاری ضرورتوں کو پورا کرنے کا ٹھیکہ لئے بیٹھا ہے اس نے ہی تمہاری یہ ضرورت بھی پوری کر دی کہ ان سب مسائل کا' اس قتل و غارت کا' اس بے حیائی کا' انسان کی ان مصیبتوں کا علاج کیا ہے؟ اس نے فرمایا میں نے وہ بات تمہارے پاس بھیج دی **قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ** تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس وہ نصیحت پہنچی ہے جو نہ صرف تمہیں مسائل کا صحیح حل بتائے گی بلکہ

شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ۔ کفر کی وجہ سے' برائیوں کی وجہ سے' ظلم کی وجہ سے' قتل و غارت گری اور بے حیائی کی وجہ سے' رشوت کھانے اور دوسروں کا مال لوٹنے کی وجہ سے تمہارے دلوں میں جو امراض پیدا ہو گئے ہیں (کفر و شرک و فخر و تکبر) ان سب کا علاج بھی اس میں ہے یعنی تمہارے حالات ظاہرہ ہی کا جواب نہیں بلکہ تمہاری اندرونی اور باطنی بیماریوں کی دوا ہی نہیں' شفا ہے۔ **شفاء لما فی الصدور۔** اور یہ خطاب کیا جا رہا ہے ساری اولاد آدم کو۔ جہاں تک ماننے والوں کا تعلق ہے' مومنین کا تعلق ہے فرمایا۔

وَ هُدًى وَ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔ ایمان داروں کے لئے یہ کتاب' یہ قانون' یہ آئین' یہ طرز زندگی' یہ ایمان' یہ عقیدہ' یہ طرز عمل اول و آخر رحمت باری ہے۔ **ھدی** اور ہر کام کے کرنے کا صحیح طریقہ اس میں موجود ہے۔ ہدایت کہتے ہیں کسی بھی کام کے کرنے کے صحیح طریقے کو۔ تو فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ۔ اے اولاد آدم! تمہارے پروردگار نے تمہاری ضرورت پوری کرنے کے لئے تمہارے پاس یہ نصیحت نامہ بھیجا ہے۔ یہ تمہارے ظاہری مسائل ہی کا جواب نہیں ہے بلکہ تمہاری باطنی کجی کا علاج ہی نہیں' شفا ہے۔ **شفاء لما فی الصدور۔** تمہارے دلوں میں جو خرابی آ گئی ہے اس کی شفا ہے اس میں اور اس میں جامع اور مکمل نظام ہے جو صحیح ترین ہے۔ **"ھُدًی"** ہر کام کے کرنے کا صحیح طریقہ اور اول و آخر رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔

میں نے یہ بات اس لئے چھیڑی کہ لوگوں کی شکایت تو بڑی حد تک علماء کرام نے ملک میں ملی یک جہتی کونسل کو وجود بخش کر دور کر دی۔ بڑی خوش آئند بات ہے اور بہت اچھی بات ہے کہ پورے ملک کے علماء یا ان کی اکثریت ملی یک جہتی کے نام پر ایک کونسل وجود میں لائے ہیں۔ لیکن کچھ تھوڑی سی بات اپنی سمجھ میں نہیں آ رہی شاید یہ ہماری کم فہمی اور کم علمی بھی ہو سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر یہ اتحاد یا یہ یک جہتی کس بات پر ہے؟ نقطہ اتحاد کیا ہے؟ اگر تو نقطہ اتحاد یہ ہے کہ یہ نظام' یہ کافرانہ اور غیر اسلامی نظام' یہ انگریز کا بنایا ہوا نو آبادیاتی نظام' یہ ظالمانہ نظام خرابی کی جڑ ہے اور اسکی جگہ اللہ کا دیا ہوا یہ نظام جو شفا ہے دلوں کے لئے بھی اور جو مسائل کا ظاہری حل بھی ہے اگر اس کو اس نظام سے تبدیل کرنے کے لئے علماء **یکجہت** ہو گئے ہیں' یکسو ہو گئے ہیں' یک رائے ہو گئے ہیں' یک زبان اور یک دل ہو گئے ہیں تو پھر یقیناً انہوں نے اپنا دامن اس موجودہ نظام سے الگ کر لیا ہو گا۔ چونکہ اسلام کسی رنگ و روغن کے اوپر لیپا پوتی کرنے کا نام نہیں ہے کہ پہلے سبز رنگ ہے اس پر سیاہ ہے اس پر سرخ ہے اس پر پیلا ہے آپ اس پر سفیدی پھیر دیں اور کہیں اسلام ہو گیا اسلام ایسا نہیں ہے۔ اسلام پہلے سارے رنگ اتار کے صرف اور صرف اپنا رنگ چڑھاتا ہے اسلام کی بنیاد ہی نفی پر ہے اثبات

پر نہیں ہے۔ جب کوئی اسلام میں داخل ہوتا ہے تو وہ لا الہ پڑھتا ہے۔ لا الہ کہنا اور اس سے آگے کچھ نہ کہنا کفر ہے۔ انکار ہے معبود کا۔ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں لا الہ اسلام نے اتنی بڑی بات کیوں کہلوائی بندے سے؟ "الا اللہ" کہنے کے لئے کہ جب تمام معبودوں کی نفی ہو جائے گی۔ دل پر کوئی نقش، کوئی رنگ، کوئی نقطہ نہیں رہے گا تب کہے الا اللہ کہ اللہ ہے۔ اگر کوئی لا الہ کہہ کر الا اللہ نہ کہے تو لا الہ کہنا کفر ہے کیونکہ اس میں تمام معبودان کی نفی کر دی گئی جس میں ذات باری بھی شامل ہے کہ معبود ہی کوئی نہیں۔ یہ نفی کیوں کی گئی اس لئے کہ جس کے دل پر، جس کے عقیدے میں، جس کے نظریئے میں جو رنگ بھی ہے وہ کھرچ دیا جائے گا، خالی کر دیا جائے، لوح قلب کو صاف کر دیا جائے۔ جس طرح بچے تختی دھو کر، اس پر پوچا لگا کر، سکھا کر اسے سفید کر دیتے ہیں کہ اس پر کوئی حرف نہیں رہا اب اس پر لکھو۔ "لا الہ" پہلے کہا انکار کر دو اگر کوئی کہتا ہے نہیں اللہ کو تو مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے دوسرے خدا بھی ہمارے لئے کچھ کرتے ہیں تو یہی تو ہندو ازم ہے، یہی تو شرک ہے۔ یہی تو سارے مشرک بھی کہتے تھے اللہ کے وجود کا انکار کون کرتا تھا۔ وہ تو کہتے تھے کہ ہم ان کی پوجا اس لئے کرتے ہیں کہ۔

لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ۔ یہی (خدا) ہمیں کھینچ گھسیٹ کر رب کے نزدیک کر دیتے ہیں۔ یہ جو معبودان باطلہ ہیں ان کی پوجا ہم اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے توسل سے ہم اللہ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اللہ کو تو وہ بھی مانتے تھے لیکن ساتھ مختلف خداؤں کو بھی مانتے تھے تو اسلام نے لائن کھینچ دی فرمایا کہہ دو لا الہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے سب کا انکار کرنے کے بعد اب کہو الا اللہ " مگر اللہ ہے۔" کس نے بتایا؟ کیا دلیل ہے تمہارے پاس کہ کوئی بھی نہیں ہے اور اللہ ہے؟ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ ایک ہی دلیل ہے اور مسلمان کی آخری دلیل صرف ایک ہے کہ یہ بات بتائی ہے۔ بات ختم۔ مسلمان کی پہلی دلیل اور مسلمان کی آخری دلیل صرف ایک ہے کہ یہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے۔ آج اگر کوئی قرآن سے ثابت کرتا ہے تو قرآن کے قرآن ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس کتاب کے کتاب اللہ ہونے یا وحی الٰہی ہونے کی صرف یہ دلیل ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وحی الٰہی ہے۔ کسی دوسرے بندے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ وحی کو سنا نہیں ہے۔ جس نے بھی سنا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا۔

تو کسی قانون، کسی آئین، کسی یکسوئی، کسی یک جہتی، اتفاق کی دلیل کیا ہے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اتفاق۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی اور یہ میں آپ سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مجھے بھی اس ملی یک جہتی کونسل نے دعوت دی ہے اپنے جلسے میں شمولیت کی اور وہاں حاضری کی لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر یہ نظام ظالمانہ ہے تو اس میں مولانا فضل الرحمٰن چوٹی پر بیٹھے ہیں، **الاٹونسز** بھی لے رہے ہیں، فیسلیٹیز (FACILITIES) بھی لے رہے ہیں، سارا پروٹوکول بھی لے رہے ہیں۔ اگر اس میں سپاہ صحابہ کے علماء شامل ہیں تو وہ بھی اسمبلی سے سارے مفادات حاصل کر رہے ہیں، اس میں مولانا سمیع الحق صاحب شامل ہیں تو وہ بھی سینٹ سے سارے مفادات حاصل کر رہے ہیں اس میں جناب قاضی صاحب ہیں تو وہ بھی ساری موجیں ادھر سے وصول کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ یک جہتی مزید حصول فوائد کے لئے ہے یا نفاذ اسلام کے لئے؟ یعنی اگر تو ہماری یہ یک جہتی، یہ اتفاق، یہ اتحاد اس غرض سے ہے کہ ان مصائب کا حل اللہ کے دین میں ہے تو پھر کم از کم یک جہت ہونے والوں کو اپنا دامن ادھر سے چھڑا لینا چاہئے اور اگر خدا بھی رہے اور صنم بھی ناراض نہ ہو تو اس کا نام "ملی یک جہتی" کس خوشی میں رکھا گیا ہے؟

ملت کا لفظ جو ہے یہ قرآن کا دیا ہوا ہے۔ قرآن نے ہمیں یہ نوید سنائی مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ۔ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت ہو۔ کمال ہے ہم اتباع کرتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ہم پانی پینے سے لے کر زندہ رہنے' نکاح' طلاق' جنازہ' وراثت' لین دین' بیع و شراء میں اتباع کرتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ملت ابراہیم علیہ السلام کی ہو گئی! یہ کیسی عجیب بات ہے۔ ملت سے مراد ہے کہ اس اتباع میں وہ خلوص اور وہ دل جمعی ہو جو اطاعت الٰہی کے لئے ابراہیم علیہ السلام کے دل میں تھی۔ یعنی اس کیفیت سے' اس جنوں سے' اس جذبہ دروں سے تم دین کی' اللہ کی اطاعت کرتے ہو۔ جس جذب دروں سے ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری رکھ دی تھی' جس جذبہ دروں سے ابراہیم نے ہجرت فرمائی' جس جذبہ دروں سے' جس خلوص دل سے انہوں نے اپنے ننھے منے بچے اور محبوب بیوی کو تنہا بیت اللہ کے نواح میں چھوڑ دیا' جس خلوص اور درد دل سے وہ احکام الٰہی کا اتباع کرتے تھے تم اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامو! اس درد دل' اس خلوص سے' اتباع کرتے ہو اور تعمیل حکم کرتے ہو۔ اسے کہتے ہیں ملت۔ دل کی گہرائی سے' یکسو' یک رنگ ہو کر اپنے ذاتی نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر' زندگی اور موت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک خلوص کے ساتھ محض اللہ کی رضا کے لئے اتباع کرنے والے جو فرد اکٹھے ہو جاتے ہیں خواہ وہ ایک فرد ہو تو بھی ملت ہوتا ہے وہ دس ہو جائیں تو بھی ملت ہوتے ہیں اور وہ کروڑوں ہو جائیں تو بھی ملت ہوتے ہیں' ایک وجود ہوتے ہیں' ایک ذات ہوتے ہیں اور یہ مت سمجھئے کہ ملت بہت سے افراد پہ مشتمل ہوتی ہے ایک' ایک فرد بھی ملت کہلاتا ہے۔ اگر اس میں وہ خلوص' وہ درد دل' وہ جذب دروں پیدا ہو جائے۔ تو پھر یہ ملت کیسی ہے جو دودھ تو پیتی ہے سرکاری گائیوں کا اور نعرہ لگاتی ہے اسلام کا۔ یہ یک جہتی تو نہ ہوئی یہ تو دو رنگی ہو گئی بھائی۔ اور اگر وہ لوگ جو دینی سربراہ اور دینی رہنما اور مذہبی رہنمائی کے اعلیٰ مناصب پہ جلوہ افروز ہیں اگر ان کا رویہ ایسا ہے تو پھر اس وقت کا' اس قوم کا' اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہے۔

چونکہ قرآن حکیم نے کوئی گنجائش نہیں رکھی کہ ہدایت یا رحمت کہیں اور بھی ہے۔ قرآن حکیم نے کوئی گنجائش نہیں رکھی کہ تم تعلیمی نظام کافرانہ رہنے دو' عبادات کو اسلامی طریقے سے کر لو' اسلام کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ نہیں۔ اسلام نے پورے کا پورا بندہ لیا ہے اور اگلے سارے رنگ اتار کر لیا ہے۔ سارے خیالات کا انکار کر کے الا اللہ کہے اور اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً پاؤں سے چوٹی تک اسلام میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ اور پھر اللہ ہماری کمزوریوں کو جانتا ہے اس نے بڑی خوبصورت بات کی۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ یہ اللہ کا فضل ہے یہ دین' یہ احکام' یہ ہدایت' یہ شفا' یہ نظام' یہ کتاب' یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم' اس کی سنت یہ سارا اللہ کا فضل ہے اور اس کی رحمت ہے اور تمہیں تو اس پر فخر کرنا چاہئے فَلْيَفْرَحُوْا۔ اس پر جشن مناؤ۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ اللہ نے تمہیں اس قابل سمجھا کہ اتنی بڑی نعمت تمہیں عطا کر دی اور فرمایا۔

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ جو پیسے سرکار سے لیتے ہو اس سے یہ بہتر ہے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ بات اس کی کریں گے لیکن مفادات غیر اسلامی نظام سے لیں گے۔ باتیں اسلام کی کریں گے اور ان کے بدلے روپے غیر اسلامی نظام سے لیں گے اگر یہ نظام ظالمانہ ہے' اگر یہ نظام کافرانہ ہے' اگر اس نظام کو کافرانہ نہ کہے تو بھی غیر اسلامی تو ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں۔ تو غیر اسلامی رہنماؤں کو مفاد حاصل کرنے کی اجازت کیسے ہے؟ جو بندہ' جو نظام' جو پارٹی' جو جماعت یا جو دینی رہنما اس نظام میں حصہ لیتے ہیں' اس میں ووٹنگ حاصل کرتے ہیں' اس کی اسمبلیوں میں جاتے ہیں۔ کیا اس طریقے سے' مروجہ طریقے سے' ووٹ دینا اور لینا اور اسمبلی میں جانا یہ اس نظام کو چلانے کا سبب ہے یا اس کے

خلاف رکاوٹ ہے؟ تو عملی طور پر ہم سب اس کو چلانے کا سبب بنے ہوئے ہیں ایک عام آدمی بھی ووٹ دینے سے انکار نہیں کرتا۔ وہ نہیں کہتا کہ میں اس نظام میں ووٹ نہیں دیتا۔ اگر شرعی طریقے سے انتخاب کیا جائے اور اس میں میری رائے کی شرعی حیثیت ہو تو میں اپنی رائے دونگا غیر شرعی طریقے میں میں خود کو شامل نہیں کرتا۔ چونکہ ووٹ محض ووٹ نہیں ہوتا شہادت ہوتی ہے دو باتوں کی کہ جس بندے کو میں ووٹ دے رہا ہوں اور جس منصب کے لئے دے رہا ہوں اس منصب کی اہلیت و قابلیت بھی اس میں ہے اور دیانت داری سے اس فریضے کو ادا بھی کرے گا۔ اب آپ اندازہ کر لیجئے جن لوگوں کو آپ ووٹ دیتے ہیں ان میں اہلیت کتنی ہے؟ اور کتنی دیانت داری سے وہ کام کرتے ہیں؟ یہاں پہ یہ مت بھولئے گا کہ ہر ووٹ کا جواب طلب ہو گا میدان حشر میں' محاسبہ ہو گا' پوچھا جائے گا۔ ہر ظالم جو اقتدار میں آکر ظلم کرتا ہے ووٹ دینے والا اس ظلم میں اپنے حصے کا شریک ہے۔ کسی نیک آدمی کو آپ اوپر لاتے ہیں وہ آکر نیکی پھیلاتا ہے' انصاف کرتا ہے تو اس کے انصاف کرنے اور اس کے نیکی پھیلانے میں آپ کا حصہ اپنی اس حیثیت کے مطابق موجود ہو گا۔

تو میری گذارش یہ ہے کہ ہمیں اس ملی یک جہتی کونسل میں آنے کے لئے پہلے اپنے معزز اور قابل احترام اکابر سے یہ پوچھنا ہے کہ ملت سے مراد اگر وہی خلوص ابراہیمی علیہ السلام ہے اور یک جہتی سے مراد وہ یکسوئی ہے کہ ہم پوری طرح اسی خلوص سے اسلام کو نافذ کرنے پہ متفق ہوئے ہیں تو کم از کم اس غیر اسلامی نظام سے تو اپنا دامن چھڑا لیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم اس اسمبلی میں بھی شامل ہوں' اس سینٹ میں بھی شامل ہوں' خارجہ کمیٹی کے ممبر بھی ہوں' مفادات ادھر سے لے رہے ہوں' گاڑیاں بھی سرکاری اور جھنڈے بھی سرکاری اور نعرہ اسلام کا تو یہ ایک اور خود فریبی ہے یا خدا فریبی ہے۔ (خدا فریبی بھی دراصل خود فریبی ہوتی ہے)

ہمارے اکابر' ہمارے معزز رہنما اپنا دامن اس آلائش سے پاک کر لیں' اس سے الگ ہو جائیں اور صرف اور صرف قرآن حکیم ہاتھ میں لے کر اسلام کے نفاذ کے لئے یکجا ہو جائیں۔ آج اس ملک میں اسلام کا مطالبہ کرنے والوں پر' آپ کے وطن عزیز کے دفاع کرنے والے جوان گولی چلا رہے ہیں۔ کیا اسلام کا مطالبہ کرنا اتنا ہی بڑا جرم ہے؟ کیا یہ اتنا ہی گناہ ہے کہ اس بندے کو پکڑا بھی نہ جائے' مقدمہ بھی نہ چلایا جائے' اسے وہیں گولی مار دی جائے' اور کیا اسی لئے ٹیکس دیئے جاتے ہیں اور اسی لئے ادارے بنائے جاتے ہیں اور اسی لئے رینجرز اور فوج اور پولیس بنائی گئی ہے کہ جو دین کا' خدا کا' خدا کے قانون کا نام لے اس پر گولی چلا دی جائے؟ اگر یہ نظام اس حد تک اسلام کے خلاف ہے تو دینی علماء اس نظام میں بیٹھ کر کیا کر رہے ہیں؟ کہ دین کا مطالبہ کرنے والے مارے جا رہے ہیں اور یہ وہاں سے الاؤنس لے کر' اپنی گاڑیاں لے کر' جھنڈے لگا کر پھر رہے ہیں۔ تو پھر کونسی یک جہتی ہے؟ ملت کس کی؟ کونسی ملی یکجہتی اس کونسل کا قیام کس لئے وجود میں آیا؟ وہ کیا کرنا چاہتی ہے؟ ان مقاصد کا اگر تعین ہو جائے اس کی وضاحت ہو جائے' اس سوال کا جواب مل جائے تو ہم خادم ہیں انشاء اللہ ہم ہر طرح سے' ہر خدمت کے لئے' جان تک دینے کے لئے حاضر ہیں لیکن سانجھے میں مرنا ہمیں قبول نہیں ہے۔ ہم صرف اس بندے کا ساتھ دیں گے جو اسلام اور صرف اسلام کے لئے محنت کرے۔ جسے ذاتی اقتدار کی ضرورت نہ ہو' مفادات کی ضرورت نہ ہو' دولت جمع کرنے کی ضرورت نہ ہو جو اسلام کو اس ملک کا آئین بنانے کے لئے میدان میں اترے اسے ہمیں دعوت دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہم اس سے پہلے اس کی جگہ موجود ہوں گے انشاء اللہ اور ذاتی مفادات سے اللہ کریم نے ہمیں رہائی دے رکھی ہے۔ کسی وزیر اور کسی شہنشاہ سے ہم نے کبھی کوئی کوڑی نہ مانگی ہے اور نہ انشاء اللہ مانگنے کی نوبت آئے گی۔

باقی صفحہ نمبر ۱۸ پر

الجہاد

تقادری

1- جہاد

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کش مکش زندگی
کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سردارا

حق و باطل کی آویزش روز ازل سے جاری ہے اور جاری رہے گی طاغوتی قوتیں ہر دور میں حق کو دبانے کے لئے مصروف ہیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ حق کے ماننے والوں نے دین کی سربلندی کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں اور باطل پرست ہمیشہ خائب و خاسر رہے۔ در حقیقت یہ قتال فی سبیل اللہ ہی کا اثر تھا کہ قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود حق کے ماننے والے باطل سے ٹکراتے رہے اسی جذبہ اور سوز دروں میں ان کی کامیابی کا راز پنہاں تھا۔ آج باطل قوتیں متحد ہو کر حق کے سامنے پھر سے صف آراء ہیں ان کی یورش کا انداز نیا ہے جس کے خلاف عمل پیرا ہونے کے لئے ایمان کامل اور جذبہ صادق کی ضرورت ہے اور ایمان کی صحیح حلاوت' عبادات اور تعلق باللہ ہی سے ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے انسان کو اس تخلیق کا مقصد واضح فرماتے ہوئے فرمایا کہ کامل یکسوئی سے میری عبادت کرو اور حق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو۔ اس طرز عمل سے حصول رضائے الٰہی ممکن ہے اور پھر انسان جان تک اس کے راستے میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔

2- تعلق باللہ سے انسان میں شجاعت اور توکل علی اللہ کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ باطل سے دبنے کی بجائے باطل کی دبانے کی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ اللہ سے تعلق اور معیت باری کا یہ لمحہ احساس اس کو کائنات کی سب سے بڑی سپر پاور کی نصرت کا یقین عطا کر کے ہر طاغوتی طاقت کو پاش پاش کرنے کا حوصلہ اور قوت عطا کرتا ہے۔

3- ضابطہ اسلام

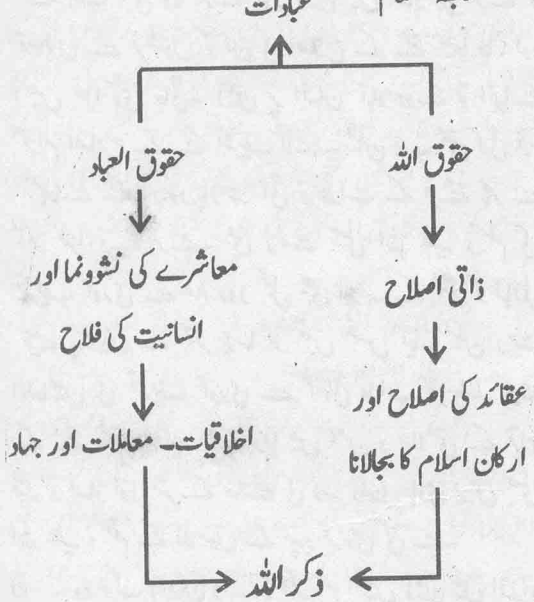

ذکر اللہ چونکہ روح کی غذا اور ہر مشکل کی کنجی ہے

اس لئے اس کو عبادت کے دونوں حصوں میں شامل کیا گیا ہے۔ ارکان اسلام کا مقصد جہاں اللہ کی یاد قرار دیا وہاں انسانیت کی فلاح کے ہر کام کی روح اللہ کے ذکر کو ٹھہرایا گیا ہے۔

مندرجہ بالا احکامات کا ضابطہ ضابطہ اسلام ہے اور ہم سب کو اسی ضابطے کا آخری سانس تک پابند رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلام کے معنی امن و سلامتی کے ہیں۔ اسی سلامتی کے حصول اس کی بقا کے لئے عبادت کا مندرجہ بالا ضابطہ حیات بنا کر تمام مسلمانوں کے لئے اس کی پابندی لازمی شرط قرار دی گئی ہے۔ ملک یا دنیا کا کوئی حصہ جہاں بھی سلامتی نہیں وہاں ضرور اس ضابطے کی پابندی میں ہم سے بھول چوک ہوئی ہے۔

4۔ انسان نہ صرف اشرف المخلوقات بلکہ اللہ کا نائب اور خلیفہ بھی ہے جس کی ذمہ داری دنیا سے شر اور فساد کا خاتمہ ہے۔ روئے زمین پر انسان کی تخلیق سے قبل جن آباد تھے جب کبھی وہ بگڑتے اور زمین میں فساد برپا کرتے تو آسمانوں سے فرشتوں کو ان کی اصلاح کے لئے بھیجا جاتا اور انہیں سزا دی جاتی۔ زمین پر انسان آباد ہوئے تو انبیائے کرام اصلاح کے لئے تشریف لائے۔ لیکن جب بھی کوئی قوم سمجھانے کے باوجود باز نہ آتی تو عذاب کے فرشتے پھر سے آکر سزا دیتے رہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ۸۰ روز قبل بھی ابراہہ کے لشکر کو ابابیل جیسے پرندوں نے کنکر برسا کر تہس نہس کیا۔ لیکن رحمتہ اللعالمین کی تشریف آوری سے آسمانی عذاب کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اب دنیا میں امن و سلامتی کے قیام فتنہ و فساد اور شر کے خاتمے کی ذمہ داری ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے سپرد کر دی گئی ہے۔

5۔ وہ لوگ (ایمان والے) اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کرتے، زکوۃ ادا کرتے اور نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور سارے کاموں کا انجام اللہ کے لئے ہے۔ (الحج)

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زبان تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

ایمان والے گویا انسانیت کے رکھوالے اور امن و سلامتی کے ضامن ہیں۔ آزمائش کا سلسلہ ہجرت کے دوسرے ہی سال شروع ہو گیا اور اللہ کی نصرت سے ۳۱۳ مجاہدین نے کفار قریش کے سامان حرب و ضرب سے لیس لشکر کو شکست فاش دی اور ہجرت کے نویں سال ۳۰ ہزار مجاہدین نے تبوک جاکر قیصر کی افواج کو خود انہیں کی سرحدوں پر جا للکارا۔ مسلمانوں نے اللہ کی زمین پر خلافت کا حق ادا کرتے ہوئے دنیا سے ظلم اور جبر و استبداد کے خاتمے کے لئے قرطبہ سے ملتان اور شمالی افریقہ کی سرحدوں تک امن سلامتی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

6۔ جب کسری کی فوجوں نے بھاگتے ہوئے تعاقب کرنے والی مسلم سپاہ کا راستہ روکنے کے لئے دجلہ کے پل توڑ دیئے تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجاہدین کو دریا عبور کرنے کی ترغیب دی۔ اللہ سے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے نَسْتَعِيْنُ بِاللّٰهِ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کہہ کر گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا مجاہدین نے پیروی کی۔ دریا سے پار اتر کر مدائن فتح کر لیا۔ سلامتی اور امن کے قیام کے لئے حضرت عقبہ بن نافع مراکش کو فتح کر چکے تو سامنے بحراوقیانوس (ATLANTIC OCEAN) تھا۔ شوق جہاد میں گھوڑا سمندر میں ڈال دیا کچھ دور جانے کے بعد سمندر کی موجوں نے راستہ روکا تو حسرت بھری نگاہوں سے آسمان کو دیکھا اور عرض کی۔

"اللہ! افسوس کہ تیری زمین ----- ختم ہو گئی ورنہ جہاں تک زمین ہوتی تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا۔"

اسی جذبہ کو سامنے رکھ کر علامہ اقبال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرون اولی کے مسلمانوں کی شان کو یوں بیان کیا۔

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

7- جذبہ جہاد جب تک مسلمانوں میں موجزن تھا مسلمان روئے زمین پر تمکنت اور وقار سے آباد تھے۔ ان کے وجود کی برکت سے روئے زمین پر امن و سکون اور انصاف بھی تھا لیکن اب ----؟؟

خندہ زن کفر ہے' احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں
اے لا الہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
کردار دلبرانہ' گفتار قاہرانہ!

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (روزے تم پر فرض کر دیئے گئے) پر عمل پیرا قوم نے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (لڑائی تم پر فرض کر دی گئی ہے) سے کسی نہ کسی طرح چشم پوشی کی۔ جس کے اثرات سے آج ہم سب دو چار ہیں۔ پوری دنیا سے امن و سکون' فتنہ و فساد کی نذر ہو رہا ہے۔ کراچی ہو یا ملک کا کوئی حصہ۔ سڑک ہو یا شہر' امن و سکون کو پوری قوم ترس رہی ہے۔ جس کی وجہ! حق گوئی وبیباکی سے محرومی' تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ التَّقْوٰى کا فقدان اور جہاد سے منہ موڑنا بلکہ اپنے رب سے تعلق کا توڑنا یا پھر کمزور کر لینا ہے اور حد تو یہ ہے کہ:۔

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

8- قرآن پاک نے ایمان والوں کو جہاد بالنفس اور جہاد بالاموال کی بار بار تاکید کی ہے۔ قرآن و حدیث میں بے شمار فضائل بیان کئے گئے۔ خود مجاہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زندگیاں اس کے لئے مشعل راہ ہیں:۔

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (البراۃ ۳۶)

تمام مشرکوں سے قتال کرو جیسے کہ وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور اس حقیقت کو سمجھ لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔

ایمان والوں کو اللہ نے تاکید فرمائی ہے۔

"اے ایمان والو! اپنے ہتھیار سنبھال کر رکھو پھر جونہی جہاد کا اعلان ہو ٹولیاں بنا کر یا سب مل کر کوچ کرو۔"

عالم ہے صرف مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے!

9- جہاد کے حکم پر ایک نہیں کئی آیات موجود ہیں۔ بخاری شریف کتاب الجہاد میں ----- ۳۷۲ احادیث مبارکہ موجود ہیں۔ جہاد کے گھوڑے' سواری' میدان قتال کے سفر کی فضیلت' پہرہ داری' سرحدوں کی حفاظت' زخمیوں کی عیادت اور شہداء کے فضائل' شرکاء بدر اور دیگر غزوات کے فضائل موجود ہیں۔ صحیح مسلم میں ۳۲۵ احادیث اسی طرح کے فضائل پر موجود ہیں۔

10- فقہائے اسلام کا فیصلہ:۔ اِمْرَاَةٌ سُبِيَتْ بِالْمَشْرِقِ وَجَبَ عَلٰى اَهْلِ الْمَغْرِبِ اَنْ يَسْتَنْقِذُوْهَا

"اگر ایک عورت (مسلمان) مشرق میں گرفتار ہو چکی ہو تو اہل مغرب (مسلمانوں) پر اس کا آزاد کرانا واجب ہے۔"

یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آزادی کے لئے ۱۴۰۰ جاں نثاروں نے بیعت رضوان کی "یا حجاج اغثنی" اے حجاج میری مدد کر۔ ایک عورت کی آواز پر حجاج کی غیرت اور اسلامی حمیت نے ۱۲ ہزار کا لشکر روانہ کیا۔

آج کشمیر میں کتنی عورتوں بچوں کی چیخیں کسی محمد بن قاسم کو بلا رہی ہیں۔ حجاج کی روح آج بھی تڑپ رہی ہو گی۔ لیکن:۔

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ------ نصیرا○ (النساء ۷۵)

تم کو کیا عذر ہے لوگ اللہ کی راہ میں بے بس اور کمزور مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو اس شہر سے نکال دے جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارے لئے مدد گار بنا دے۔

11- ہماری ایمانی نگاہیں اللہ کی نصرت کو دیکھ نہیں پا رہیں۔ جب ہماری توجہات کا رخ اللہ کی بجائے امریکہ ہوا ہے۔ درد بھری یہ چیخیں ہمیں سنائی ہی نہیں دے رہیں۔ ؎

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لئے!

ہندوستان کی طاقت اور امریکہ کی پشت پناہی کیا یہی دو خطرات ہمیں مظلوموں کی مدد سے مانع ہیں تو اللہ کا وعدہ کہاں گیا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران ۱۳۹)

ہمت نہ ہارو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن رہے۔

12- جہاد کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کس طرح عمل کیا اس کے نمونے ملاحظہ ہوں۔ ذرا پھر سے سوچو تو!

ا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر زمین شام جا کر نصرانیوں سے عمر بھر جہاد کرتے رہے حتی کہ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

ب۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول غزوہ سے لے کر ساری عمر (سوائے ایک سال) ہر غزوہ میں موجود رہے۔

ج۔ حضرت ابو راشد فرماتے ہیں میں نے حضرت مقداد بن اسود کو حمص میں دیکھا۔ ہڈی اتر گئی پھر بھی جہاد کے لئے جا رہے تھے۔ میں نے کہا اب تو شریعت نے آپ کو معذور قرار دے دیا ہے۔ پھر کیوں تکلیف اٹھا رہے ہیں فرمایا، سورۃ براۃ ہمارے سامنے نازل ہوئی ہے جس میں حکم ہے۔ "ہلکے بھاری سب جہاد کرو۔"

د۔ حضرت حیان بن زید کہتے ہیں جراجمہ کی طرف جہاد کو جاتے ہوئے میں نے دمشق میں ایک عمر رسیدہ بزرگ دیکھے جو حملہ کرنے والوں کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے۔ ان کی بھوئیں آنکھوں پر پڑ رہی ہیں۔ پاس جا کر عرض کی آپ تو اللہ کے نزدیک معذور ہیں۔ انہوں نے آنکھوں سے بھوئیں ہٹائیں فرمایا اللہ نے حکم دیا ہے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا۔ ہلکے بھاری، جواں، بوڑھے، صحت مند، معذور سب جہاد کے لئے نکلو۔

دراصل ان لوگوں کے سامنے غزوہ تبوک میں تین پیچھے رہ جانے والے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال موجود تھا۔ جو نہ تو جہاد سے انکاری تھے، نہ ڈرنے جھجھکنے یا مال کا لالچ میں آنے والے تھے۔ یہ صحابی صرف آج اور کل کی تیاری میں سستی کر بیٹھے۔

13- عرب سے چلنے والے بے سروسامان اللہ کے سپاہیوں نے صرف اور صرف اللہ کی نصرت کے وعدے پر کتنے بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ قادسیہ میں ۳۰ ہزار مجاہدین ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج جن کے ساتھ ۳۰۰ جنگی ہاتھی اور جنگ یرموک میں ۵۰ ہزار مسلمانوں نے اپنے پانچ گنا منظم و مسلح فوج (۲ لاکھ ۵۰ ہزار) پر غلبہ حاصل کیا۔

کفار کے پاس انسانیت کو تباہ کرنے والے آلات حرب اور جنگ کے ذرائع ضرور موجود ہیں۔ لیکن انشاء اللہ یہ سب خود انہی کی ہلاکت و بربادی کا سامان ہو گا۔

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ۝ (انفال ۴۰)

جان لو! تمہارا رفیق اللہ ہے، بہترین رفیق اور بہترین مدد گار ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
اٹھ اے مجاہد حی الحبیب
نصر من اللہ و فتح قریب

دعائے مغفرت

نزیر احمد (جلالپور پیروالہ) کے والد محترم قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

علم۔ ڈگری اور رزق

ملک محمد اکرم اعوان

صقارہ اکیڈمی۔ منارہ میں سال ۹۵ داخل ہونے والے طلباء سے خطاب

میرا آج کا خطاب ان نئے بچوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے ہے جنہیں اس ادارے میں داخلہ ملا۔ تعلیمی ادارے ہمارے ملک میں بے شمار ہیں۔ بہت اچھے اچھے ادارے ہیں' ایسے ادارے جو سرکاری سرپرستی میں چل رہے ہیں۔ بہت جدید علم' انگریزی زبان اور انگریزی ادب کا علم' سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم بڑی اچھی طرح سے بچوں تک پہنچا رہے ہیں اور عموماً" ان اداروں سے نکلنے والے بچے حکومت کے اعلیٰ عہدوں تک پہنچ جاتے ہیں یا خود حکومت بن جاتے ہیں۔ دوسری طرف دینی ادارے بھی بہت سے ہیں۔ الحمد اللہ جن کی تاریخ میں بڑے بڑے نامور علماء کا نام ہے۔ جن کی گود میں بڑے بڑے عالم پلے بڑھے اور دنیا میں جنہوں نے علوم دین کو بہت پھیلایا۔ یہ آپ کا ادارہ جو ہے' یہ ان دو اداروں کے درمیان پل کا کام دینا چاہتا ہے یہ ایسے نوجوان پیدا کرنا چاہتا ہے جن کے پاس ضرورت کے مطابق دینی علم بھی ہو اور جو زندگی کے میدان میں اپنا دنیوی کردار بھی ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ یہ مقام حاصل کرنے کے لئے بنیادی طور پر ضروری ہے کہ طالب علم یا بچے کو علم کی اہمیت کا یا علم کی ضرورت کا احساس ہو۔ یا کم از کم یہ جانتا ہو کہ علم کیوں حاصل کیا جائے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ سو سالہ انگریزی زمانہ اقتدار میں علم کو محض بابو بننے یا نوکری تلاش کرنے کا ذریعہ سمجھا گیا یا سمجھایا گیا۔ اب بھی ہمارے ذہن میں' ہمارے بزرگوں کے ذہن میں یا جو والدین بچے لے کر آتے ہیں ان کے ذہن میں یہی بات ہوتی ہے کہ بچے اچھی طرح پڑھ لکھ جائیں تو وہ اچھا روزگار حاصل کرنے کے قابل ہوں گے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اچھا روزگار صرف پڑھے لکھے لوگوں کے پاس ہو۔ بہت سے ان پڑھ بھی پیدائشی طور پر اتنے امیر ہیں کہ ان کے پاس پیسہ ختم ہی نہیں ہوتا۔ کتنے ان پڑھ لوگوں نے کارخانے لگا رکھے ہیں' فیکٹریاں لگا رکھی ہیں اور وہ دولت کما رہے ہیں۔ وہ خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتے لیکن سینکڑوں پڑھے لکھے ان کے ملازم ہیں' ان کی جگہ ان کا کام کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ روزی کا نظام اللہ کریم کی طرف سے تقسیم شدہ ہے۔ کس تک کون سا دانہ گندم کا پہنچنا ہے۔ یہ طے شدہ ہے۔ اپنے حصے سے زیادہ کوئی نہیں لے سکتا۔ بہت پڑھ جائے تو بھی' ان پڑھ ہو تو بھی۔ پڑھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پڑھا لکھا آدمی اپنی ذات سے' ماحول اور اس کی ضروریات سے' انسانیت اور انسانی اقدار سے' انسانوں کے انسانوں کے ساتھ رشتے اور انسان اپنے مالک کے ساتھ رشتے سے واقف ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ میں کون ہوں؟ میری حیثیت کیا ہے؟ علم اتنی عظیم دولت ہے کہ سب سے پہلی وحی جو آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس میں اللہ نے اپنا جو

بہت بڑا احسان فرمایا جس کا ذکر فرمانا پسند فرمایا۔

وہ احسان یہ تھا کہ میں نے بندے کو ایسا علم سکھا دیا کہ جو زبان و دل سے نکل کر قلم کی نوک پہ آ جاتا ہے' صفحہ قرطاس پہ آ جاتا ہے اور ایک بندے کی جنبش قلم نسلوں تک کے لئے علوم کے ذخائر اور علوم کے خزینے جمع کر دیتی ہے اور صدیوں تک لوگ ان سے مستفید ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اب دنیا کی کسی دوسری مخلوق کے پاس اس طرح کے علوم نہیں ہیں۔ ضروریات زندگی کو اگر آپ علم کہیں تو زندگی کی ضرورتوں کا علم جانور کے پاس بھی ہے۔ مچھلی کا بچہ انڈے سے نکل کر کسی مکتب میں تیرنا سیکھنے نہیں جاتا۔ پانی میں اس کی زندگی ہے تو اسے فطری طور پر تیرنا سکھا دیا جاتا ہے۔ وہ اسی وقت تیرنا شروع کر دیتا ہے۔ جانور کے بچے کو کوئی مدرسہ نہیں چاہئے کہ پیدا ہونے کے بعد وہ ماں کا سینہ یا ماں کا دودھ تلاش کرے۔ جیسے ہی وہ پیدا ہو چکتا ہے' ماں کا دودھ تلاش کر لیتا ہے۔ وہ جب کھانے کے قابل ہوتا ہے تو اسے بتانے کوئی نہیں آتا کہ تمہیں گھاس چرنی ہے' تمہیں جھاڑیوں کے پتے کھانے ہیں یا تمہیں پتھر کھانا ہے یا کیا کھانا ہے یا کیا نہیں؟ فطرت اور اس کا مزاج اسے بتا دیتا ہے۔ زندگی گزارنے کا سارا طریقہ اسے طبعی طور پر' فطری طور پر اللہ کریم اسے سکھا دیتے ہیں۔ اگر انسان نے بھی علم سے یہی کچھ سیکھا کہ پڑھ لکھ کر اس نے پیسے کما لئے اور پڑھ لکھ کر اس نے کھا پی لیا تو اکبر الہ آبادی نے کہا تھا کہ ۔

کیا کہیں احباب کار ہائے نمایاں کر گئے
بی۔ اے کیا' نوکر ہوئے' پنشن ملی اور مر گئے

یہ یاد رکھئے کہ علم کے لئے جاننا شرط ہے۔ اگر کوئی نقل لگاتا ہے' رٹہ لگاتا ہے' دو چار جملے یاد کر لیتا ہے جیسا آج کل ہمارا طریقہ ہے کہ امتحان قریب آتے ہیں تو بچوں کو ایک ٹیسٹ پیپر میں سے رٹہ لگوا دیا جاتا ہے دس بارہ سوال یاد کرا دیئے اس میں سے تین چار بھی پرچے میں آ گئے تو وہ پاس ہو گیا تو اس میں سند تو مل جاتی ہے' شاید اس سرٹیفکیٹ پہ نوکری بھی مل جائے لیکن جسے علم کہتے ہیں وہ نصیب نہیں ہوتا۔ وہ جانتا کچھ نہیں۔ اسی لئے آج حالت یہ ہے کہ تعلیمی معیار پوچھو تو سند ایم۔ اے کی ہو گی' سرٹیفکیٹ ماسٹر کا ہو گا لیکن تعلیمی معیار پوچھو تو شاید بندہ ایک جملہ بھی نہ لکھ سکے یا شاید کوئی لکھا ہوا جملہ پڑھ نہ سکے۔ رب جلیل نے سب سے پہلی بات جو اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر وحی کے ذریعے نازل فرمائی وہ حکم تھا۔

اِقْرَاْ "پڑھئے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل امین علیہ السلام سے فرمایا۔ **مَا اَنَا بِقَارِئٍ**۔ میں تو پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں۔ مجھے تو پڑھنا نہیں آتا۔ انہوں نے پھر کہا **اقراء** آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا۔ **ما انا بقاری**۔ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں مجھے پڑھنا لکھنا نہیں آتا۔ انہوں نے پھر فرمایا **اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ**۔ اس ذات کے نام سے جو ساری نعمتیں سب کو عطا کرتا ہے' جو رب ہے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی رب ہے' جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ عظمت عطا کی ہے' وہی علم عطا کرنے پہ بھی قادر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نام سے پڑھئے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ۔ وہ کریم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وجود بخشا اور **خَلَقَ الْاِنْسَانَ**۔ جس نے تمام نوع انسانی کو پیدا فرمایا۔ **مِنْ عَلَقٍ**۔ خون کی ایک پھٹکی ہے۔ اس شعور کے ساتھ' اس فکر کے ساتھ' قلب و نظر کے ساتھ' دل کے ساتھ' دماغ کے ساتھ' ان کمالات کے ساتھ انسان کو اتنا بڑا وجود دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور پڑھئے۔

اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ضرور پڑھئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پروردگار بہت ہی زیادہ مہربان ہے۔ اتنا زیادہ مہربان کہ ایک قطرے سے انسان بنایا' کتنی اس میں خصوصیات رکھیں۔ ان سب کو ایک طرف رکھ کر فرماتا ہے۔ **اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ** اس

نے انسان کو نوک قلم سے علوم کو صفحہ قرطاس پہ بکھیرنا سکھا دیا اور انسان کو وہ حقائق جاننے کی توفیق نصیب ہوئی جو وہ کبھی نہیں جانتا تھا۔ **ما لم یعلم**۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا لیکن اللہ نے اسے یہ قدرت دی کہ ایک انسان نے ریسرچ کی اب وہ زبانی زبانی ریسرچ کتنوں کو بتاتا' اس کی معلومات کہاں تک مستفید کرتیں؟ اس نے وہ نوک قلم سے صفحہ قرطاس پہ منتقل کر دیں۔ وہ کاغذ روئے زمین پر پھیل گیا اور ایک انسان کا علم اس عہد کے سارے انسانوں کا علم بن گیا۔ آن واحد میں ساری انسانیت کا علم بن گیا۔ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ ہو گیا اور صدیوں تک نور کا وہ دریا سینوں کو منور کرتا چلا گیا۔ یہاں اللہ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھئے اور پڑھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روزی ملے گی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھئے اور پڑھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عہدہ ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رزق کے وسائل ملیں گے۔ "نہیں۔" بلکہ علم تو بجائے خود ایک بہت بڑی اور عظیم دولت ثابت فرمایا۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے علم کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ **العلم**۔ جسے علم کہا جاتا ہے جو علم ہے۔ علمان۔ اس کے دو حصے ہیں۔ علم الادیان و علم الابدان۔ نار مینک سائنسز کا علم' ادیان کا علم' اخلاقیات کا علم' انسانی اقدار کا علم' بندوں سے بندوں کے رشتوں کا علم اور رشتوں کے احترام کا علم' بندوں کے نبی علیہ السلام سے رشتے کا علم اور رشتے کے احترام کا علم' بندوں کے اپنے مالک سے رشتہ کا علم اور اس کے احترام اور تقدس کا تقاضا علم الادیان ہو گا۔ نار مینک سائنسز' اخلاقیات' اعتقادات' ایمانیات' کردار' تہذیب' زندگی کا اسلوب' ثقافت (جو بھی کہیں گے آپ) وہ دین کہلائے گا۔

اور دوسرا حصہ علم کا علم الابدان ہے۔ فزیکل سائنسز کا علم۔ دنیا کس طرح وجود میں آتی ہے؟ کون سے عوامل اللہ نے ہوا میں رکھے ہیں؟ کیا خصوصیات اس نے قطرہ آب میں رکھی ہیں؟ بادل کیا خدمت سر انجام دیتا ہے؟ بارش کیسے برستی ہے؟ ایک دانہ' ایک درخت کا روپ کیسے دھار لیتا ہے؟ انسان صحت مند کیسے رہ سکتا ہے؟ انسان باشعور کیسے رہ سکتا ہے؟ انسان کی غذا کیا ہے؟ اس کے حصول کا طریقہ کیا ہے؟ یہ سب علم الابدان میں شامل ہے۔ لیکن علم الابدان کے ساتھ علم الادیان ضروری ہے کیونکہ بدن کی سلامتی کا علم اگر دینی علوم سے الگ کر دیا جائے تو پھر بدن کی سلامتی کے لئے ڈاکہ ڈالنے اور مزدوری کرنے میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا یعنی اگر نار مینک سائنسز کو یا علم الادیان کو علم الابدان سے الگ کر دیا جائے' اقدار کو انسانی رشتوں کو یا انسانی تہذیب کو اگر ہم الگ کر دیں تو محض زندہ رہنے کے لئے درندگی رہ جائے گی' وحشت رہ جائے گی' چیرنا پھاڑنا رہ جائے گا۔ جیسے ایک درندہ اپنی بقا کے لئے سینکڑوں جانیں لیتا ہے' ایک جان کو قائم رکھنے کے لئے لاکھوں جانوں کا ضیاع کرتا ہے' ایک بدن کو خون پہنچانے کے لئے کتنا خون زمین پہ گراتا ہے' ایک وجود کو قائم رکھنے کے لئے کتنے وجودوں کو تباہ کرتا ہے۔ اگر انسان کو علم الادیان سے محروم کر دیا جائے تو درندہ ہو گا' بھیڑیا ہو گا۔ انسان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ

آج ہماری حالت یہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے بچے' یونیورسٹی کے چار پانچ سٹوڈنٹس اگر کسی جگہ اکٹھے کھڑے ہوں تو کوئی آدمی جرات نہیں کرتا قریب سے گزرنے کی۔ ڈر لگتا ہے کہ بے عزتی کریں گے' گاڑی توڑ دیں گے' توہین کریں گے' مذاق بنائیں گے۔ کوئی بچی' کوئی عورت بس سے اتر رہی ہے' چل رہی ہے کسی کا پرس چھین رہے ہیں' کسی کا دوپٹہ کھینچ رہے ہیں' کسی پر طنز کر رہے ہیں' کسی سے مذاق کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ان تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے ہیں جو فقط دنیوی تعلیم دے رہے ہیں۔ وہ ایسا اس لئے کر رہے ہیں کہ ہم نے تعلیم کو صرف زندگی گزارنے کا اور تنخواہ پانے کا ذریعہ سمجھا' پیٹ بھرنے کا ذریعہ سمجھا اور اس میں سے نار مینک سائنسز (علم

الادیان) کو' دین کے علم کو' اقدار اور اخلاق کے علم کو اس میں سے الگ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنہیں ہم جاہل کہتے ہیں ان پڑھ' بے وقوف' گڈریئے' چرواہے وہ جنگل میں پچاس بھی بیٹھے ہوں اور اپنے مویشی چرا رہے ہوں تو بندے کو حوصلہ ہو جاتا ہے کہ جنگل میں خطرہ کوئی نہیں یہاں چرواہے ہیں۔ ان کے پاس جاؤ۔ وہ آپ کو اپنی چھاگل سے پانی بھی پلائیں گے' راستہ پوچھو تو راستہ بھی بتائیں گے۔ مذاق نہیں اڑائیں گے' گالی نہیں دیں گے' عجیب بات ہے کہ جو لوگ سکول میں نہیں گئے ان میں کچھ نہ کچھ اقدار ہیں' دینی اقدار' اخلاق' نار میٹک سائنسز کا علم جو انہوں نے وراثت میں والدین سے سیکھا' کم از کم وہ ان کے پاس ہے۔ جس جوان کو ہم نے تعلیمی ادارے میں بھیجا اس سے وہ بھی چھن گیا اور اس تعلیمی ادارے نے اسے یہ بتایا کہ تیرے والدین تو بڑے قدامت پسند ہیں' فینڈا میٹلسٹ ہیں' پرانے خیالوں کے لوگ ہیں' انہیں تو دنیا کی خبر ہی نہیں۔ ان کی باتیں چھوڑ دے' بھول جا وہ کیا تھے۔ انہوں نے تجھے کیا کہا تھا؟ یہ بھول جا۔ اب یہ سیکھ جو ہم کہہ رہے ہیں۔

جب تک علم کامل نہیں ہو گا وہ علم نہیں کہلائے گا' وہ مکمل نہیں ہو گا۔ جب تک اس میں زندگی کی ضرورتوں کی بات' وجود کی بقا کی بات' حصول رزق کی بات' دنیا میں زندگی گزارنے کے ذرائع کی بات اور اس کے ساتھ اپنے نظریئے کی بنیاد کی بات' عقیدے کی بات' ایمان کی بات' حلال اور حرام کی بات' اخلاقیات اور اقدار کی بات' ایمانیات اور کردار کی بات شامل نہیں کی جائے گی تو نہ وہ علم کہلا سکتا ہے نہ اس کے حاصل کرنے والا عالم ہوتا ہے' نہ اس کی کوئی علمی حیثیت بنتی ہے اور نہ ہی اس سے کسی علمی کردار کی توقع کی جا سکتی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کا یہ ادارہ ان ساری ضروریات کو پورا کر رہا ہے لیکن میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ اس ادارے کی بنیاد انہی ضروریات کی تکمیل پر ہے۔ یہ آپ کو اس قابل بنانا چاہتا ہے کہ بحیثیت انسان کے انسانیت آپ پر اعتبار کر سکے' بحیثیت مسلمان اسلام آپ پر اعتبار کر سکے کہ یہ میرے بیٹے ہیں' بحیثیت شہری کے ملک آپ پر اعتماد کر سکے کہ یہ میرے شہری ہیں' بحیثیت ایک فرد کے قوم آپ پر اعتبار کر سکے کہ یہ میرے افراد ہیں' میرے وجود کا حصہ ہیں۔ اب اس میں انسان کوئی لوہے' تانبے یا مٹی گارے کی چیز نہیں ہے کہ آپ اسے گوندھ کر یا بھٹی میں گرم کر کے کسی سانچے میں ڈال دیں اور وہ اس طرح کا پرزہ بن جائے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ ایسی بھی بات نہیں ہے کہ انسان کا اپنا دل یا دماغ نکال کر اس کی جگہ کوئی نیا بازار سے خرید کر لگا دیا جائے اور اس کی سوچیں بدل جائیں۔ انسان جیسا ہے اسی کو بدل کر' اسی کو پالش کر کے' اسی سے زنگار اتار کر اسی کو صحیح کرنا پڑتا ہے۔ جو کچھ وہ ہے اسی کو درست کرنا پڑتا ہے۔ اس میں یکطرفہ نہیں' دو طرفہ معاملہ ہوتا ہے۔ استاد کتنی ہی محنت کرے فائدہ تب مرتب ہو گا کہ شاگرد بھی اس سے فائدہ لینا چاہے۔ اب ہو سکتا ہے کسی گھر میں گالیاں دی جاتی ہوں اور بچہ گالیاں دینے کا عادی ہو' ہو سکتا ہے کسی گھر میں چوری کو عیب کی بجائے بہادری سمجھا جاتا ہو کہ ہم نے دوسرے کی چیز اڑائی تو بچے میں بھی وہ بات ہو گی کہ کسی کی چیز اڑا لینا بہادری کی بات ہے' ہو سکتا ہے کسی گھر میں غیبت کرنے کا' دوسروں کو برا بھلا کہنے کا اور خود کو اپنی بڑائی بیان کرنے کا رواج ہو تو اس کا عکس بچے میں بھی ہو گا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں قرآن حکیم کہتا ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم۔ انسانوں کے دلوں پر زنگ سا لگ گیا۔ یہ جتنی اخلاقی بیماریاں ہیں یہ وہ زنگار ہے جو دلوں پہ لگتا ہے۔ آپ اس کو اتارنے کے لئے اگر استاد محنت کرے گا تو شاگرد کے ذمے بھی ہو گا کہ وہ اپنا دل کھول کر استاد کے سامنے رکھے۔ وہ استاد سے سیکھنا چاہے۔ وہ اپنے آپ میں تبدیلی لانا چاہے۔ وہ یہ احساس کرے کہ اگر میں جھوٹ بولتا تھا تو جھوٹ بولنا بری بات تھی۔ میں اگر سچ نہیں بتا سکتا تو کم از کم خاموش ہی ہو جاؤں یعنی جھوٹ

بولنے سے نہ بولنا بدرجہا بہتر ہے۔ سچ بولنا تو بہت اچھی بات ہے لیکن اگر سچ بولنے کی جرات نہیں آتی تو جھوٹ بولنے کی بجائے بندہ خاموش تو رہ سکتا ہے۔ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی بننے والی عادات کو تبدیل کرنا' بندے کے یا طالب علم کے یا بچے کے عقیدے کو پالش کر کے ایسا صاف سیدھا کرنا جیسا قرآن و حدیث چاہتا ہے' ایسا چمکانا جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے ہیں' اس کو اللہ کی بارگاہ سے متعارف کرانا' قرآن اور اس کی تعلیمات' نبی علیہ السلام کے ارشادات' ان کی تعلیمات' عبادات' ان کے اوقات' ان کا طریقہ' ان کا سلیقہ' انسانی اقدار' رشتوں کی اہمیت' انسانیت کی عظمت' ذاتی اور قومی فریضے' ملکی اور بین الاقوامی معاملات یہ سارا نالج (علم) دے کر اس کے ساتھ مروجہ نصاب کی تیاری کرانا اس ادارے میں استاد کا کام ہے اور یہ معمولی کام نہیں ہے۔ اگر اس میں بچے کے اپنے دل میں یہ ضرورت پیدا نہیں ہو گی کہ مجھے یہ علم پوری طرح حاصل کرنا ہے تو پھر شاید وہ نتائج پیدا نہ ہوں گے جو اس کی زندگی میں ایک خوبصورت انقلاب لا سکتے ہوں۔

لہٰذا میری گذارش یہ ہے کہ ہر بچے کو یہ احساس ہونا چاہئے۔ ایک احساس جو اکثر بچوں کو دیا جاتا ہے کہ جناب والدین خرچ کر رہے ہیں تو اس لئے آپ کو پڑھنا چاہئے یہ بھی ایک پوائنٹ ہے' ایک احساس دیا جاتا ہے کہ آپ گھر سے دور' دوستوں سے دور' اپنے ساتھیوں سے دور' بہن بھائیوں سے دور' والدین سے دور الگ ایک ہاسٹل میں پڑے ہیں تو اتنی قربانی جب دی ہے تو پڑھنا بھی چاہئے یہ بھی اپنی جگہ درست ہے' لیکن ایک جواب یہ بھی ہے کہ آپ کے سامنے اتنی خوبصورت نعمتیں تقسیم ہو رہی ہیں اور آپ صرف انہیں حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں تو اگر آپ ان میں سے کچھ حاصل نہ کر سکے تو کتنی بڑی محرومی کی بات ہے لہٰذا بچوں کے ذمے بھی یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کا ادراک کرے۔ یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔ یہاں کوئی کسی کو اپنے سے کمتر نہیں سمجھتا' یا کوئی کسی کو رسوا یا کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ اساتذہ کی ذمہ داری آپ کی تعمیر ہے۔ اس ضمن میں تعمیراتی کام اور انسانی تعمیر انسان کے تعاون کے بغیر نہیں ہوتی۔ اسے ٹھونک ٹھانک کر نہیں بنایا جاتا۔ ایک مکڑی کو' ایک پتھر کو آپ تراش سکتے ہیں' توڑ پھوڑ کر سیدھا کر لیتے ہیں' لوہے کو گرم کر کے' کوٹ کے سیدھا کر لیتے ہیں لیکن انسان اپنی پسند سے اور بات سمجھ کر والینٹیرلی سیدھا ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ انسان زبانی کہہ دیتا ہے کہ جی آپ جو کہتے ہیں ٹھیک ہے لیکن جب تک اس کے دل میں تسلی نہیں ہو گی وہ مانے گا نہیں۔ اندر سے کہتا رہے گا کہ "یار یہ جھوٹ ہی بولتا ہے" ہاں یہ بھی آپ کو حق حاصل ہے کہ کسی بات کی سمجھ نہ آئے استاد سے پوچھئے' ایک بار نہیں دس بار پوچھئے' بار بار پوچھئے' جب تک بات تسلی بخش طریقے سے قلب و ذہن میں جم نہیں جاتی' پوچھئے۔ آپ کا حق ہے۔ استاد بتائیں گے انشاء اللہ۔ اپنی زندگی کے ان لمحات کو جو آپ کو یہاں نصیب ہوئے ہیں' مستقبل کی بنیاد بنائیے اور مستقبل صرف آنے والی دنیوی زندگی نہیں ہے بلکہ مستقبل ہے ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی' آخرت کی زندگی' دائمی زندگی' ابدی زندگی اور ابدی زندگی کی بنیاد ہے دنیوی کردار۔ لہٰذا

مجھے امید ہے کہ جو بچے یہاں داخل ہوئے ہیں وہ انشاء اللہ یقیناً ادارے کے لئے' والدین کے لئے اور ملک و قوم کے لئے قابل فخر ثابت ہوں گے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ میں یہ بھی بتا دوں آپ کو کہ کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف' کوئی پرابلم کسی بچے کو ہو استاد سے کہہ سکتا ہے۔ پرنسپل صاحب سے کہہ سکتا ہے یا اسے تسلی نہ ہو تو وہ مجھ سے بلاتکلف مل سکتا ہے' بات کہہ سکتا ہے' اپنی تکلیف بتا سکتا ہے' یہ آپ کا گھر ہے اور یہاں حتی الامکان یہ کوشش کی جائے گی کہ آپ کو کوئی تکلیف یا کوئی پریشانی نہ ہو۔ کوئی آیات آپ کو مشکل یا سخت لگ رہی ہے اور اس کا ہونا مجبوری یا ضرورت ہے تو آپ کو مجبوری یا ضرورت سمجھائی جائے گی' اس کی اہمیت' اس کی ضرورت بتائی جائے گی اور اس کا آسان ترین پہلو اختیار کیا جائے گا۔

اللہ کریم آپ سب کو روشنیوں کا امین بنائے۔ ایمان کا اعتبار سے، کردار کے اعتبار سے، اخلاق سے اور جدید علوم کے اعتبار سے آپ کو چمکتے ہوئے روشن ستارے بنا دے، اللہ کرے اس ملک اور قوم کے مقدر پہ چمکیں اور جو اس ادارے کے لئے، والدین کے لئے، اساتذہ کے لئے باعث فخر ہوں۔

الحمد اللہ سقارہ اکیڈمی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اب یہاں کے بچے (جو پہلے سالوں میں یہاں سے فارغ ہوئے تھے) میدان عمل میں ہیں۔ خالی خالی فوجی افسر نظر آتے ہیں، خالی خالی سول کے آفیسرز نظر آتے ہیں اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس کرسی پر ان میں اکیڈمی کی تربیت کا پہلو بڑا واضح نظر آتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ یہ کس ادارے کا پڑھا ہوا آفیسر ہے۔ یہی اس اکیڈمی کا حاصل ہے۔ آپ کے چارجز، آپ کی مینسنگز، آپ کی ٹیوشن نان پرافٹ کے اعتبار سے لی جاتی ہے۔ جس میں اکیڈمی کو کوئی پرافٹ نہیں ہوتا۔ صرف اس قدر رقم زائد جاتی ہے جس سے اساتذہ کرام کی تنخواہ اور آپ کی رہائش کے اخراجات پورے ہو جائیں۔ اکیڈمی کا منافع یہ ہے کہ جب کوئی کسی جج کی تعریف کرتا ہے کہ یہ دیانت دار ہے اور کھرا فیصلہ کرتا ہے اور اسی جج کو اکیڈمی نے کچھ دن اپنی آغوش میں رکھا ہے تو وہ انعام اکیڈمی کے لئے پیسے سے بڑھ کر ہے۔ اکیڈمی کے تربیت یافتہ بچے فوج میں بحیثیت کیپٹن باہر کے ممالک میں بھی جا چکے ہیں اور عجیب بات ہے کہ جہاں ان کے ساتھ بریگیڈیئر کمانڈر تھے ان کے کمانڈنٹ کرنل رینک کے تھے ان سے اوپر میجر رینک کے آفیسرز تھے لیکن حسن کارکردگی کے تمغے اور تمغہ بسالت وغیرہ انہیں بچوں کو ملے جو سب سے جونیئر آفیسرز تھے۔ یعنی حکومت نے بھی ان کے کردار کو نوٹ کیا ہے حالانکہ آرمی میں تو ایک بریگیڈیئر کے سامنے ایک کپتان کی بات بننا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ جو بھی کام ہوتا اس کا ایوارڈ تو اوپر والے کو جاتا ہے کہ اس کی کمانڈ میں ہوا لیکن ان کا کردار اتنا بریلینٹ، اتنا واضح، اتنا روشن تھا کہ وہ ایوارڈ کے مستحق سمجھے گئے۔ آپ کے کردار کی روشنی اور اس پر تحسین و آفرین ہی دراصل ادارے کی آمدن ہے۔ یہی ادارے کا ایوارڈ ہے اور یہی اس کے لئے باعث اعزاز ہے۔

اللہ کریم اس میں اضافہ فرماتا رہے۔

دعائے مغفرت

ڈاکٹر نثار احمد ارائیں صاحب کے سسر چوہدری فقیر محمد صاحب ۲۴ اپریل کو رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

ضرورت شیخ

ضرورت شیخ کے سلسلے میں ایک سوال بعض ذہنوں میں ابھرتا ہے کہ جب کتب تصوف میں ہر قسم کے اذکار اور وظائف اور ان کے پڑھنے کے طریقے درج ہیں تو ان پر عمل کر کے انسان کامل بن سکتا ہے پھر شیخ کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ طب کی کتابوں میں ہر قسم کے نسخہ جات، طریق علاج، وزن، ادویہ اور طریق استعمال موجود ہے۔ پھر کسی ماہر طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا کسی معقول آدمی کے ذہن میں یہ سوال بھی ابھرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں، آخر اس کی وجہ؟ وجہ صرف یہی ہے کہ جان عزیز ہے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ طب کی کتابوں اور اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے، بلکہ اچھی طرح چھان بین کر کے کسی ماہر طبیب کو تلاش کیا جائے اور اسی سے علاج کرایا جائے اسی طرح اگر ایمان عزیز ہو، اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا مقصود ہو تو معقولیت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی کسی معالج روحانی کو تلاش کرے کیونکہ روحانی طبیب کے بغیر روحانی صحت اور تزکیہ باطن اور تعلق مع اللہ پیدا ہونا محال ہے۔

(دلائل السلوک)

اعضاء کی پیوند کاری اور پوسٹ مارٹم

(انسانی اعضاء کی پیوند کاری، منتقلی اعضاء، عضو انسانی کا عطیہ، موت کی تعریف، لاش کی چیر پھاڑ Dissection اور پوسٹ مارٹم انسانی اعضاء کی خرید و فروخت۔ طبی اور اسلامی حقائق)

از

میجر ڈاکٹر رفیق احمد غنچہ

M.B.B.S M. Phil (Anatomy)

Asst. Prof

Armed Froces

Medical College Rawalpindi.

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ **کل نفس ذائقۃ الموت** کہ ہر انسان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اسلامی فلسفہ حیات میں زندگی کی تین Stages میں ایک موجودہ زندگی جو تمام تر رعنائیوں کے ساتھ چل رہی ہے۔ ایک Phase یہاں سے رخصت ہونے کے بعد قبر میں تاقیامت جسے برزخ کہا جاتا ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ قبر کے معاملات کی تشبیہ کسی فیصلے کے منتظر گروپ کے لئے وقت انتظار ہے اور انتظار تکلیف دہ بھی ہو سکتا ہے خوش کن بھی، اور آخری منزل قیامت کا دن ہے جس میں فیصلہ ہو گا۔ کہ انسان نے زندگی میں جو اعمال کئے ہیں اس کی جزا کیا ہے۔ اس نے جنت کے باغوں میں جانا ہے یا جہنم کے گڑھوں میں۔ قیامت کے بارے میں یوں تو پورے قرآن مجید میں جگہ جگہ حوالہ جات ہیں لیکن آخری سپارہ اور آخری سورتیں ان مناظر کو خوب بیان کرتی ہیں۔

انسان جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں روح پھونکتے ہیں۔ یہ روح لافانی ہے زندگی میں جسم کا معاملہ زیادہ مقدم ہوتا ہے اور بعد الموت روح کا معاملہ یعنی جسم پر تصرف روح کا ہوتا ہے۔

موت کے بارے میں کہا گیا ہے۔ **برسل المحبوب الی المحبوب** موت محبوب سے محبوب کی طرف جانے کا ذریعہ ہے مومن کبھی موت سے نہیں ڈرتا بلکہ موت اس سے ڈرتی ہے دراصل بات موت کے لئے تیاری کی ہے۔ جس شخص نے اپنا مال، اولاد اور جسم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق لگائے رکھا۔ اس کو موت کی خوشی ہوتی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے جا رہا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری الفاظ یاد رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا۔ **انت رفیق الاعلیٰ**۔ اے اللہ تو بہترین دوست ہے۔

آیئے میڈیکل سائنس صحت اور بیماری کے بارے میں کیا کہتی ہے اور ڈاکٹروں کا کیا مشن ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کا کام زندگی بڑھانا نہیں ہے بلکہ جو زندگی ہے اسے زیادہ سے زیادہ آسان اور تکلیف سے مبرا بنانا ہے کسی جگہ بھی ڈاکٹروں کو زندگی بڑھانے کا Mandate نہیں دیا گیا ہے۔

یعنی ڈاکٹروں کو Quality of life بہتر بنانے کے لئے کہا گیا ہے نہ کہ Quantity of life

جب ہم اعضا کی منتقلی اور اس سے متعلق دوسری تجاویز کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے سامنے Main مقصد زندگی کو بڑھانا ہوتا ہے نہ کہ صحت کو بہتر کرنا، خاص طور پر گردہ کی منتقلی جو عام ہے اس کا تو اس کے بغیر نظریہ ہی نہیں

ہوتا۔

گردہ کی منتقلی یا اور اعضاء کی پیوند کاری کرتے ہوئے بنیادی مشکل یہ ہوتی ہے کہ گردہ آئے کہاں سے اور پھر اس کا Compatable ہونا (مناسب ہونا)

عام طریقہ یہ ہے کہ گردہ خراب ہونے کی صورت میں یا تو قریبی اعزاء کو کہا جاتا ہے۔

Professional Donor قریبی اعزہ یا تو سماجی مجبوری کی وجہ سے یہ فیصلہ کرتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اس کا پورا طریقہ کار کیا ہے؟

جب کسی مریض کا گردہ فیل ہو جاتا ہے تو اس کو Dialysis Machine پر رکھا جاتا ہے۔ جو بہت ہی مہنگا طریقہ ہے۔ مریض کے بہت سے رشتہ داروں کو بلایا جاتا ہے اور ان کا Blood گروپ چیک کیا جاتا ہے اور گردہ کی Compatability دیکھی جاتی ہے زیادہ سے زیادہ اچھا نتیجہ صرف بہن بھائی یا ماں باپ کے گردہ کا نکلتا ہے اور کامیاب ترین Cases میں بھی یہ دو سے تین سال یا پانچ سال تک چل سکتا ہے۔ گردہ کے منتقلی کے اخراجات پاکستان میں دو لاکھ روپے سے زائد اور باہر اس سے بھی زیادہ ہیں۔ منتقلی کے بعد مسلسل زیر علاج رہنا پڑتا ہے۔ اچھی سے اچھی Compatibllily میں Rejection کا خطرہ ہوتا ہے اور سارا آپریش ناکام ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کسی غریب ضرورت مند سے گردہ خریدا جاتا ہے۔ ایک مریض کے لئے کئی افراد کو ٹیسٹ کیا جاتا ہے اور جس ایک کا گردہ لیا جاتا ہے اس کی کامیابی کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی۔ لیکن اس کی غربت اور مجبوری کا استحصال کیا جاتا ہے چند پیسوں کے عوض' اور اس چیز کی گارنٹی نہیں ہوتی کہ اگر اس کا دوسرا گردہ خراب ہو جائے تو وہ کیا کرے گا۔ سوائے موت کے اس کا کوئی حل نہیں یعنی ایک زندگی کو Extend کرنے کے لئے دوسرے انسان کو موت کے اتنے ہی Risk پر ڈالا جاتا ہے۔

حال ہی میں (پچھلے ماہ) راولپنڈی کے ہسپتال میں ایک اچھے سرجن کا کیس بیان کرتا ہوں۔ مسٹر یوسف نامی شخص نے اپنی بیوی کو گردہ فیل ہونے کی وجہ سے داخل کرایا۔ ڈیرہ غازیخان ہوٹل میں ٹھہرا اور پورا خاندان اس اذیت ناک فیصلے کی زد میں تھا۔ لڑکی کے بہن بھائی اور ماں باپ کہتے تھے کہ لڑکا یعنی خاوند گردہ دے اور لڑکے کے والدین خواہش مند تھے کہ لڑکی کے رشتہ دار یا کوئی اور شخص گردہ دے۔ کئی دن یہ Tension چلتی رہی۔ اور پیشہ ور گردہ دینے والے بہت سے افراد کو بلایا گیا۔ لیکن صحیح گردہ نہ مل سکا۔ مجبوراً" خاوند نے شدید سماجی اور سیاسی دباؤ کی بنیاد پر گردہ دینے کا فیصلہ کیا گردہ کی منتقلی کی' شام کو ہی مریضہ Shock میں چلی گئی تمام تر بہترین اور علاج کی سہولتوں کے باوجود مرض بڑھتا گیا ITC کے باہر کھڑے ہوئے خاندان کا مسئلہ یہ تھا۔ کہ رات کو اگر یہ عورت فوت ہو گئی تو اس کے خاوندن کو کون بتائے گا جو ابھی تک ITC میں دوسرے کمرے میں ہے شدید نفسیاتی دباؤ کا عالم تھا اور اسی کشمکش میں کچھ دن کی تگ و دو کے بعد بیوی فوت ہو گئی۔ اس فیملی کے پانچ بچے ہیں ماں فوت ہو گئی ہے نوجوان باپ ایک گردے کی وجہ سے مستقل Risk پر چلا گیا کیونکہ ڈیرہ غازیخان کے علاقے میں پتھری کی عام بیماری ہے۔

اس طرح کے دوسرے Case میں ایک بہن نے اپنے بھائی کو گردہ دیا بھائی تو کچھ دیر کے لئے ٹھیک ہو گیا اور بعد میں جا کر شاید فوت ہو گیا ہو گا لیکن بہن جس نے ابھی شادی کرنی تھی اور Pregnancy وغیرہ کا Load برداشت کرنا تھا ہمیشہ کے لئے Risk پر چلی گئی۔

اسی کام نے یہاں سے کاروبار کی صورت اختیار کر لی۔ جو شخص متحمل ہو سکتا ہے۔ وہ گردہ خریدنے کی کوشش کرتا اور انسانی مجبوریوں کا استحصال کرتے ہوئے دوسری زندگی خطرہ میں ڈالتا ہے۔ اس طریقہ علاج میں ظالمانہ اور حیوانی جبلت کام کرتی ہے نہ کہ بنیادی انسانی حقوق کا احترام۔

یہ اتنا گھناؤنا کاروبار ہے کہ اسلام کی اجازت کی تو بات ہی کیا عام اخلاقیات اس کی اجازت نہیں دیتے۔

حال ہی میں لندن میں گردہ کی منتقلی کے

Pioneer Surgeon Dr. Ray Mond Krock

Harely St. London

کو جنرل میڈیکل کونسل نے سزا کے طور پر گردہ منتقلی کے آپریشن کرنے پر پابندی لگا دی ہے اور اس سمیت چار ڈاکٹروں کا پریکٹس کرنے کا لائسنس منسوخ کر دیا ہے ان پر یہ الزام ثابت ہوا تھا کہ انہوں نے چار ترکوں سے ۲۵۰۰ سے ۳۲۰۰ پونڈ میں گردہ خرید کر آپریشن کیا تھا۔ ان پر الزام یہ تھا کہ ان کے علم میں یہ بات تھی اس لئے وہ جرم کے مرتکب ہوئے۔ انسانی اعضاء کے خرید و فروخت پر یہ عام ملک کا قانون ہے اور اسلام کی تو بات ہی کیا ہے۔

(British Medical Journal July 1990)

دراصل اس قسم کا راستہ میڈیکل سائنس میں تحقیق کے راستے کو بھی بند کرتا ہے۔ انسانی جوڑوں کے ماہرین نے Joint Prosthesis کی ہے اور آج کل جوڑوں کا بہترین علاج کیا جا رہا ہے اگر Research نہ ہوتی شاید مردوں کے جوڑ بھی اکھاڑ کر زندہ لوگوں کو لگائے جاتے۔

مندرجہ بالا گفتگو سے ظاہر ہوا کہ منتقلی اعضاء اور اس سے متعلقہ تمام امور غیر اخلاقی، غیر قانونی اور غیر شرعی ہیں۔

لاش کی چیڑ پھاڑ اور پوسٹ مارٹم

(Dissection Of Dead Bodies)

لاش کی چیڑ پھاڑ میڈیکل کالج میں تعلیم کے لئے ہوتی ہے ذرا اس کا طریقہ کار بھی ملاحظہ فرمائیں:۔ کوئی شخص کسی حادثے یا بیماری کی وجہ سے فوت ہو جاتا ہے تو اس کو عزت سے دفن کرنے کی بجائے جو کہ انسانیت اور اسلام دونوں پسند کرتے ہیں اسے بلدیہ کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ بلدیہ کے ٹھیکیدار دفنانے میں دلچسپی لیتے ہیں کہ ان کو پیسہ ملتا ہے۔ میڈیکل کے لوگ کوشش کرتے ہیں کہ وہ لاش انہیں مل جائے اس پر پاکستان میں قانون سازی موجود ہے اور متعلقہ ڈپٹی کمشنر کی اجازت کے بغیر کوئی بھی کاروائی نہیں کی جا سکتی۔

جب لاش میڈیکل کالج میں آ جاتی ہے تو لاش سرد خانے میں رکھ دی جاتی ہے اور اس کو کیمیکل لگائے جاتے ہیں چند ہی دنوں میں اسکی Dissection شروع کر دیتے ہیں کوئی گروپ آنکھ نکالتا ہے کوئی گروپ آری سے چیر کر دماغ نکالتا ہے اور باقی گروپ بازو اور ٹانگیں توڑ کر علیحدہ کر لیتے ہیں۔

تفصیلی اور باریک بینی سے Dissection کرنے کے بعد جب صرف ہڈیاں اور تھوڑا سا گوشت رہ جاتا ہے تو ان کو ایک بڑی دیگ میں ڈالا جاتا ہے تاکہ بقیہ گوشت اور ذرے ہٹ جائیں اور صرف ہڈیاں رہ جائیں یہ ہڈیاں صاف کرنے کے بعد میوزیم میں رکھی جاتی ہیں یا طلبہ کو بیچ دی جاتی ہیں۔ موجودہ دور میں ایک کلاس میں تین سو طلباء ہوتے ہیں اور چند لاشیں، عام طریقہ کار یہ ہے کہ صرف دو چار طلباء Dissection کرتے ہیں باقی مختلف ماڈلز اور چارٹوں اور کتابوں کی مدد سے Anatomy پڑھتے ہیں صرف ایک فیصد طلباء دراصل فائدہ اٹھاتے ہیں اور باقی ۹۹.۹ فیصد طلباء پھر بھی ڈاکٹر بن جاتے ہیں بلکہ اچھے ڈاکٹر بن جاتے ہیں۔

زندہ انسان اور مردہ انسان کے مطالعہ میں زمین آسمان کا فرق ہے دس سال تک Dissection کرنے والا ڈاکٹر ایک سادہ آپریشن بھی نہیں کر سکتا۔

اس کے لئے آج کل پوری دنیا میں Simulator کا رواج ہے یعنی ایسے ماڈل بنائے جاتے ہیں جس سے Texture اور Feel وہی ہوتی ہے اور طالب علم اس پر سیکھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب تعلیمی ضرورت کے تحت بھی لاشوں کی چیڑ پھاڑ کی بھی ضرورت نہیں، اسلامی نقطہ نظر بعد میں واضح کروں گا۔

پوسٹ مارٹم:۔ کسی بھی مردہ شخص کا پوسٹ مارٹم تعلیمی مقاصد یا قانونی مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے۔ لیکن تعلیمی مقاصد کے لئے کئے جانے والے P.M. میں ۹۹ فیصد کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور قانونی مقاصد کے لئے سوائے چند Cases کے زیادہ تر Circumstantial Evidence یا وہ بات جو جسم پر ہوتی ہے یا گولی کا رخ وغیرہ اس سے تعین کیا جا سکتا ہے۔ پوسٹ مارٹم کی روٹین یہ ہے۔ کہ جب جسم کو کھولا جاتا ہے تو اس کا دماغ، دل، پھیپھڑے، معدہ وغیرہ نکال لئے جاتے ہیں۔ اور Examiner Chemical کو بھیجے جاتے ہیں۔ عام طور پر رپورٹ NIL ہوتی ہے لیکن جو انسانیت کی تکریم کی جاتی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ تعلیمی مقاصد کے لئے غیر ضروری طور پر انسانی لاش کی تحقیر کی جاتی ہے اور لواحقین کو دھوکے میں رکھا جاتا ہے۔

دراصل مغرب کے زیر اثر نظام تعلیم نے سب سے زیادہ میڈیکل پروفیشن کو متاثر کیا ہے۔ اس کی مثال ایک کیس کی صورت میں دیتا ہوں کہ ایک گائناکالوجسٹ نے مجھے فون کیا کہ میں C/Section (بڑے اپریشن) کے بعد نومولود بچے کا پوسٹ مارٹم کرانا چاہتی ہوں (میں ان دنوں ایک بڑے ہسپتال کی انتظامی ذمہ داریوں پر تھا) میں نے پوچھا کہ ماں کو پہلے تو زندہ بچے کی خبر نہیں ملتی اور اوپر سے تم اس معصوم کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرنا چاہتی ہو تو آخر اس کی پروفیشنل وجہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں تعلیمی مقاصد کے لئے کرانا چاہتی ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس کا کیا فائدہ ہو گا؟ جواب ملا کہ میں میاں بیوی کو مشورہ دوں گی اس کی وجہ Genetic Counselling تھی میں نے کہا کہ اس شادی شدہ Couple کے پہلے بھی بچے ہیں تو کیا تم ان کو طلاق کا مشورہ دو گی اس پر وہ چپ ہو گئی۔

اسی طرح کئی Cases ہوتے ہیں جن سے شاید سماجی نفسیاتی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ دراصل تعلیم کو تکریم انسانیت سے ہٹ کر صرف انسانوں کو Guine Pig کے طور پر استعمال کرنے کے لئے تعلیم میں سکھایا جاتا ہے۔ اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دیں و مروت کے خلاف

ضرورت اس بات کی ہے کہ میڈیکل کے پورے نظام تعلیم کو صحیح اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور اس میں انقلابی تبدیلیاں لائی جائیں۔

موت کی تعریف:۔

موت کی تعریف میں مختلف مباحث ہیں لیکن سیدھی بات یہ کہ جب انسان کے دل و دماغ جواب دے جائیں، سانس کا عمل ختم ہو جائے اور دل کی حرکت رک جائے زندگی ختم ہو جاتی ہے پیدائش پر اگر سانس چل رہا ہے اور دل دھڑک رہا ہے تو بچے کے زندہ ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ زندگی کو مصنوعی تنفس پر آلات کے ذریعہ چلانا اور ہارٹ مشین لگانے سے آخر زندگی کا کوئی مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے موت تو اس وقت واقع ہو جاتی ہے جب معروف معنی میں وہ واقع ہو جائے اور دل پھیپھڑے کام کرنا چھوڑ دیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مشین صرف لواحقین کو مطمئن کرنے کے لئے جھوٹی تسلی ہوتی ہے ڈاکٹروں کو پتہ چل چکا ہوتا ہے کہ موت واقع ہو چکی ہوتی ہے۔

ایک دفعہ ہم CHM میں ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اپنے ایک دوست کرنل کے آخری مراحل میں اسی مخمصے کا شکار تھے صرف سماجی دباؤ کی وجہ سے موت کا اعلان نہیں کر رہے تھے۔ میں نے اپنے ساتھی میڈیکل سپیشلسٹ سے کہا بس یار۔ اس غریب کو اب چھوڑ دو اور انجکشن وغیرہ اور نالیاں ڈال کر مزید اذیت نہ دو تو فوراً Relax ہو گیا اور موت کا اعلان کر دیا اس Case میں موت دو گھنٹے پہلے واقع ہو چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عزرائیل علیہ السلام جب روح قبض کرتے ہیں تو علماء فرماتے ہیں کہ یہ بہت کڑی منزل ہوتی ہے اور انسان شدید تکلیف میں ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مرنے

والوں پر سورۃ یٰسین پڑھو' سورۃ یٰسین کا معجزہ بار بار دیکھا گیا ہے۔ مومن کی روح اس طرح قبض ہوتی ہے جس طرح پھول سے خوشبو اور کافر زندیق اور گناہگاروں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس وقت اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ جس طرح لوہے کے کنگھے کو اس کے جسم پر سے گزارہ جائے۔

دراصل مصنوعی طور پر زندگی کو طول دینے کی بجائے اسلام کے انتہائی باوقار طریقے سے اپنے موتی کو رخصت کیا جائے ان کو کلمہ طیبہ پڑھنے کی ترغیب دی جائے تاکہ خاتمہ بالخیر ہو اور آگے کی منزل آسان ہو نہ کہ آخری وقت مردہ انسان کو تکلیف دی جائے کیونکہ وہ تو مرچکا ہوتا ہے صرف Brain کی وجہ سے اسے تکلیف دینا جائز نہیں۔

مندرجہ بالا مسائل میں مفتی محمد شفیع مرحوم کے حوالے سے ایک کتاب موجود ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے لیکن دوران تحقیق و مطالعہ میرے سامنے ماہنامہ المرشد کا فروری ۱۹۹۰ ء کا شمارہ آیا جس میں سلسلہ نقشبند اویسیہ کے بانی شیخ اور معروف عالم دین مولانا اللہ یار خان نے ایک سوال کے جواب میں جامع تبصرہ فرمایا ہے۔ جو ہمارے موضوع کے تمام پہلوؤں کو Cover کرتا ہے اس ساری بحث کا نچوڑ تکریم انسانیت ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں مولانا کیا فرماتے ہیں۔

اصل مسئلہ شرعی ہے کہ انسان مکرم ہے **قال اللہ تعالی کرمنا بنی ادم۔**

ہم نے بنی آدم کو بہت بزرگی عطا کی ہے خوب سمجھ لیں کہ ہر جزو مکرم اور عزت والی ہے۔ بال' ہڈی' گوشت پوست' رگ و ریشہ' خون وغیرہ اس کا کاٹنا اور استعمال کرنا حرام ہے۔

انسانی اعضاء سے نفع اٹھانا حرام ہے اس بنا پر ایک آدمی کے بال دوسرے آدمی پر استعمال کرنا حرام ہے امام نوری شارح مسلم نے فرمایا اور صاحب مرقاب نے شرح مشکوۃ میں اس حدیث مذکورہ کے تحت نقل کیا۔

و قالو ان وصلت التبعی اوحیھو حرام بلاولا لاحرم الا نتقاع بشوالا نسان و ساعیہ احزابہ لعرتہ وکرفیہ (مرقاب)

پس کہا علماء نے اگر ایک عورت دوسری عورت کے بال اپنے بالوں سے جوڑتی ہے پیوند لگا کر تو بس یہ حرام ہے۔ اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں تمام حرام ہونے پر متفق ہیں کیونکہ انسان کے بالوں سے اور اجزائے انسانوں سے نفع اٹھانا قطعا" حرام ہے بوجہ عفرت و کرامت انسان کے ختم اور بحرالرائق ۳۰۵۔ مطبوعہ مصر۔

امراہ حاملہ اعتراض الوللفی لعلھا ولا یمکن الا بقطعہ ای جاعا ولولم بفسل فالک لحیات علی امبہ فی الموت فان کان للو لا لیتا فی البطن فلاما سوابہ وان کان حیا کابجوز کان احیا النفس بقتل نفس اخری لم بروحی الشرع۔

ترجمہ۔۔ اگر حاملہ عورت کے پیٹ میں بچہ اٹک گیا اس کا نکالنا ممکن نہیں بغیر والدہ کا پیٹ چاک کیے اگر ایسا نہ کیا گیا تو عورت کی موت کا خوف ہے یعنی بچہ کو جب تک ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ نکالا گیا تو بس بچہ اگر پیٹ میں مر گیا یا مرچکا ہے تو بچے کا ٹکڑے ٹکڑے کرنا جائز اور اگر زندہ بچا ہے تو بچے کا ٹکڑے ٹکڑے کرنا جرم اور حکم قتل میں ہے۔ لہٰذا ناجائز ہے۔ عورت مرتی ہے تو مرنے دو۔ اس واسطے کہ ایک نفس کو زندہ رکھنا دوسرے نفس کے قتل سے شریعت محمدی میں یہ حکم وارد نہیں ہوا۔

علمائے مصر سے یہ سوال ہوا جس کا جواب شائع ہو چکا ہے۔ سوال یہ تھا کہ ایک مریض جو کہ سخت مرض میں مبتلا تھا سخت بے چین ہے۔ اسکے متعلق ڈاکٹروں اور حکیموں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ شخص چھ گھنٹے زندہ رہے گا۔ کیا اس شخص کو ایسی دوا دے دی جائے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے اور سخت مصیبت سے نجات پا جائے تو کیا حرام ہو گا؟ جواب۔ کوئی انسان یہ مجاز نہیں رکھتا کہ وہ سانس کو نکالے جو خدا نے جاری کیا ہے وہ خواہ چھ منٹ بھی ہو اور اگر ایسا کیا تو وہ قاتل تصور ہو گا۔ دن قیامت کے ماخوذ ہو گا

خوب سمجھ لو اس طرح انسان کے تمام اجزاء بدن قابل عزت' قابل قدر ہیں حتی کہ کافر کی ہڈی توڑنا بھی ناجائز ہے۔ موطہ امام مالک اور مشکوۃ صفحہ (۴۹) میں حدیث شریف موجود ہے کہ انسان کی ہڈی بعد موت توڑنے والا اتنا ہی گہنگار ہے جتنا کہ زندہ کے توڑنے میں گہنگار ہے اسی طرح سے'

عن عائشہ ان الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسیر عظم المیت لکسر صیاہ۔

تحقیق فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی ہڈی توڑنی ایسی ہے جیسے کہ زندہ کی توڑی ہے۔ بتاؤ زندہ کے اعضاء کاٹ کر دوسرے کو دینا کب جائز ہوا۔ بلکہ یہ تو صاف حرام فعل ہے (مشکوۃ شریف ۶۲۲ فرب المیت)

قال تعالی ان یدعون من دونہ الا اناثاوان یدعون الا شیطانا مرید العنہ للہ' و قال لا تخذن من عبادک نصیبا مفروضا ولا ضلنھم ولا منینھم ولا مرنھم فلیبتکن اذان لانعام ولا مرنھم فلیغرن خلق للہ (النساء)

سورۃ نساء اس آیت کی تفسیر میں ابن مسعود سے یوں منقول ہے **لعن للہ الراصلات والراصمات۔** بال غیروں کے جوڑنے والی پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے

۱۔ ایسے کاموں کا آپریشن کرنا کرانا حرام' کرنے اور کرانے والا ملعون اور جہنمی۔

۲۔ کسی زندہ انسان کے اعضاء کے کسی حصہ کو کاٹنے والا ملعون اور کاٹنا حرام۔

۳۔ کسی انسان کے کسی حصہ سے نفع اٹھانا حرام اور نفع اٹھانے والا ملعون۔

۴۔ ہر انسان کے اعضاء قابل عزت و کرامت میں توہین اور ایذا حرام ہے۔

۵۔ انسان میں جو سانس اللہ تعالی نے ڈالی ہے اس کے نکالنے کی کوشش کرنا یا معاونت کرنی جیسا کہ قرب موت اپریشن اور بعد موت ہے یہ حرام اور حکم قتل میں ہے۔

یہ تو تھا مولانا کا تبصرہ' اگر ہڈی توڑنے والی حدیث پر غور کیا جائے تو Dissection اور پوسٹ مارٹم بھی حرام قرار پاتے ہیں کیونکہ ان میں ہڈی تو کجا جسم کے ہر حصے کی تحقیر کی جاتی ہے۔ **واللہ اعلم باالصواب۔**

تشکر۔

(اس مقالے کی تیاری میں میجر ڈاکٹر ممتاز احمد خان' کرنل ڈاکٹر محمد حامد' میجر حافظ غلام قادری اور قاری منظور احمد نے تعاون کیا۔ میں ان کا شکر گزار ہوں اللہ تعالی انہیں اجر عطا فرمائیں) ۔ (آمین)

دعائے مغفرت

۱۔ سلسلہ عالیہ کے ساتھی ذوالفقار علی کے والد ماجد گلزار احمد (گوجرانوالہ)

۲۔ حوالدار محمد ارشد کے والد ماجد (بورے والا)

۳۔ کنور حمید اختر (گلگت) کی والدہ ماجدہ قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں۔

ان کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اپیل

"المرشد" کا پوسٹ کوڈ نمبر 54770 ہے۔ خریداروں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ڈاکخانے کا پوسٹ کوڈ نمبر لکھ کر ہمیں بھجوا دیں۔ (شکریہ)

"ماہنامہ المرشد" او۔سیہ سوسائٹی' کالج روڈ' ٹاؤن شپ لاہور۔ 54770

روشنی کی طرف

ملک محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ○ لا

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی فِیْ مُقَامٍ اٰخَرَ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ○ وَذَکِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ○

سورۃ ابراہیم تیرھویں پارے میں شروع ہوتی ہے۔ اس کی ابتداء اس آیہ مبارکہ سے ہوتی ہے کہ اس کتاب کو ہم نے بہت ہی بابرکت نازل فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الناس کو' انسانیت کو' اولاد آدم کو' آدمیت کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی اور نور سے آشنا کریں۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ان کے پروردگار اور ان کے رب کے حکم سے۔ اللہ جل شانہ کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے مربوب' اپنے بندے کی ہر ضرورت کو پورا فرمائے۔ بندے کی بنیادی ضرورت ہے کہ وہ اپنے مقصد تخلیق سے آشنا ہو۔ بندے کا مقصد حیات ہے کہ وہ اپنے خالق سے آشنا ہو' بندے کا مقصد حیات ہے کہ وہ اپنی عاقبت' اپنی دائمی زندگی میں کامیابی حاصل کر لے لیکن اس مقصد حیات کو پانے کے لئے اس کے پاس میدان عمل جو ہے وہ یہی دنیا ہے اور بندے کا جو دنیوی کردار ہے اگر اس میں راستہ نہیں ہے تو آخرت کے لئے اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں کہ کہیں اور سے جا کر وہ آخرت پا لے یا کہیں اور سے جا کر معرفت الٰہی حاصل کر کے یا کسی اور ذریعے سے اپنا مقصد تخلیق حاصل کر لے۔ بجا طور پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی روشنی سے آشنا کیا جائے لیکن اسلام کیا ہے؟ اس کی تعین میں خطا ہو جاتی ہے۔ یہاں اسلام سمجھ لیا جاتا ہے عقیدے کو' اس کے ساتھ عبادات کو اور بات ختم ہو گئی۔ عقیدہ بنیاد ہے اسلام کی' عبادت حصہ ہے' رکن ہے اسلام کا۔ لیکن صرف عقیدہ اور عبادت ہی اسلام نہیں ہے بلکہ اسلام فرد کی پوری زندگی' معاشرے کے پورے طور طریقے' تہذیب' معیشت کے پورے انداز اور پوری اجتماعی زندگی کا نام ہے۔ آپ ایک آدمی کو کلمہ توحید تو سکھاتے ہیں لیکن نان جویں کے لئے' شب و روز کی روٹی کے لئے' بچے پالنے کے لئے اسے دس دروازوں پہ سجدہ کرنا پڑتا ہے' دس آدمیوں کی خوشامد کرنا پڑتی ہے' دس بندوں کو رشوت دینی پڑتی ہے تو وہ اپنے عقیدہ توحید میں کتنا سچا ثابت ہو گا؟ اگر معاشرے کی روش صحیح نہیں ہو گی تو وہ بندہ جو اللہ کو وحدہ

لاشریک مانتا ہے وہ بندوں کی بندگی کرنے پر مجبور ہو گا باوجود اپنے اس دعوے کے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔

ظہور اسلام سے پہلے بھی مذہب کے نام پر بڑی بڑی درسگاہیں یہود کے بڑے بڑے علماء موجود تھے' نصاریٰ کے موجود تھے۔ کون نہیں جانتا تھا؟ دین ابراہیمی علیہ السلام کے خدوخال موجود تھے' مختلف باطل مذاہب موجود تھے لیکن معاشرتی قدریں جو ہیں' معاشرے کی روش جو ہے وہ سب کی ظالمانہ اور ظلم پر سب کا اتحاد تھا۔ اسلام کا ظہور جب ہوا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والے ہر فرد نے جہاں اللہ کو وحدہ لاشریک مانا' جہاں اللہ کی عبادت کی وہاں اس معاشرے کی اس روش کا بھی انکار کر دیا۔ جس نے کلمہ پڑھا اس نے جب سود حرام ہو گیا تو سود لینے سے' سود دینے سے انکار کر دیا۔ جب ذبیحہ غیر ذبیحہ کا فرق ظاہر ہو گیا اور اسلام نے وہ جانور حرام قرار دیا جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو مردار کھانے سے مسلمانوں نے انکار کر دیا۔ لباس' روزمرہ کے معاملات' خریدوفروخت نکاح و طلاق غرض پوری زندگی مسلمانوں کی کافرانہ معاشرے سے الگ ہو گئی۔ اب اگر یہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بس کر دیتے کہ جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اپنا ماحول اسلامی بنا لیا اور بات ختم ہو گئی تو منشائے قرآن جو تھا وہ پورا نہیں ہوتا تھا۔ منشائے قرآن یہ تھا۔ **لتخرج الناس**۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولاد آدم علیہ السلام کو' انسانیت کو' بنی آدم کو HUMAN BEING کو ظلمت سے نکالیں۔ یاد رکھیں آج لوگ انسانی حقوق کے بڑے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ امریکہ' برطانیہ' یورپ کے ممالک بڑا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کوئی فرد' کوئی بشر اس نام سے بھی آشنا نہیں تھا کہ انسانیت کی بہتری کے لئے بھی کچھ کیا جائے۔ حتیٰ کہ جو انبیاء علیہم السلام والسلام بھی مبعوث ہوئے وہ اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے اور جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوتے تھے ان سے باہر ان کا دائرہ کار ہی نہیں تھا۔ پہلی دفعہ روئے زمین پر الناس (BEING HUMAN جسے انگریزی میں کہتے ہیں) یا آدمیت و انسانیت کو ایک فیگر (FIGURE) بتایا گیا' ایک وجود بتایا گیا اور یہ کارنامہ اسلام کا تھا اور آج بھی اسلام ہی کا ہے۔ اب بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اسلام نے اسی جرم میں مکہ مکرمہ میں شدید مخالفت برداشت کی' تکلیفیں اٹھائیں' ایذا برداشت کی۔ مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ آج جب ہم ذکر شروع کرتے ہیں' نماز شروع کرتے ہیں' عبادت شروع کرتے ہیں تو ہمیں شکوہ یہ ہوتا ہے کہ جی شیطان وسوسے ڈالتا ہے۔ کبھی ان کو بھی سوچو جن کا شیخ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا اور ان میں تشریف رکھتا تھا اور ایک شیطان نہیں لاکھوں انسانی وجود میں شیطان (ابوجہل جیسے شیطان) تلواریں لے کر ان پر پل پڑے۔ خالی وسوسے نہیں ڈالتے تھے انہیں مارتے تھے' گھسیٹتے تھے' رسوا کرتے تھے۔ ان کے مال چھین لئے' ان کے گھر چھین لئے' ان سے شہر چھین لیا' انہیں نکال دیا۔ کیا کہتے وہ کہ یار جب سے کلمہ پڑھا ہے یہ مصیبتیں آ گئی ہیں؟ کلمہ تو بھاری پڑ رہا ہے۔ کوئی بھی شخص جب ایک طوفان کے مقابلے میں چلتا ہے' ایک مخلوق اس طرف اڑی جا رہی ہے جدھر طوفان جا رہا ہے تو ایک آدمی کو کوئی سمجھاتا ہے کہ یار یہ تو تباہی کی طرف جا رہا ہے وہ رکتا ہے' پاؤں مارتا ہے' واپس مڑتا ہے' پھر وہ یہ شکایت بھی کرتا ہے کہ یہ طوفان مجھے کیوں تنگ کرتا ہے؟ طوفان سے تو تم خود مقابلہ کر رہے ہو یا تو اسی دھارے میں بہتے جاؤ۔ شیطان کو کیا ضرورت ہے تمہیں وساوس ڈالنے کی؟ شیطان کا کام کرتے رہو وہ بھی ساتھ خوش رہے گا۔ جب آپ اس کے مخالف چلیں گے تو پھر شکایت ہمیں نہیں ہونی چاہئے مزا تو جب ہے شکایت شیطان کو ہو کہ یہ اکیلا بندہ ہاتھ سے نہیں نکلا' یہ تو اور بھی ساتھ لئے جا رہا ہے' یہ تو دوسروں کو بھی میرے کام سے ضائع کر رہا ہے۔

تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے یہ مثال پیش فرمائی بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے

ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس راستے سے آ رہا ہو شیطان وہ راستہ بدل لیتا ہے' راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ یعنی مزا تو تب ہے اسلام کا' مزا تو سب ہے مسلمانی کا کہ شیطان کسی سے پریشان ہو جائے کہ اس بندے نے مجھے مصیبت ڈال دی۔ کفار کی ساری تکلیفیں اٹھانے کے بعد مدینہ منورہ میں' ایک گاؤں میں' چھوٹی سی ریاست بن گئی۔ اب وہ ریاست بھی محفوظ نہیں تھی۔ انسانی مصیبتوں اور دنیوی بلاؤں سے کہ اس کے گرد یہود بیٹھے تھے' منافقین کا گروہ وہاں موجود تھا اور گرداگرد تمام کافر سلطنتیں جو تھیں وہ بہت سیخ پا تھیں۔ کیوں بھئی عجیب بات ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک چھوٹی سی ریاست بنتی ہے تین ساڑھے تین ہزار کی آبادی کی جبکہ قیصر اور کسریٰ کے پاس اتنی عظیم سلطنتیں ہیں کہ ان کے ایک ایک گورنر کے پاس ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ فوجی اور سپاہ ہیں۔ تو جن کے پاس پچاس پچاس' ساٹھ ساٹھ' ستر ستر لاکھ جنگجو سپاہ موجود ہے ان کو ساڑھے تین ہزار کی اس چھوٹی سی ریاست سے ڈرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ کیوں لڑائی پہ تیار ہو گئے؟ اہل مکہ نے کیوں مخالفت کی؟ اس لئے کہ وہ ڈرتے تھے اپنی بربادی' اپنے عقائد کی تباہی' اپنی خود ساختہ تہذیب کی تباہی سے۔ کیوں؟ آخر کیا طاقت تھی اسلام کے پاس؟ یہی اسلام کی بنیادی طاقت تھی۔

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ کہ تو اولاد آدم علیہ السلام کو کفر و شرک' ظلم و جور ہر طرح کی ظلمت سے نجات دے کر ظلم سے عدل کی روشنی میں لائے' شرک سے توحید کی روشنی میں لائے' بدکرداری سے نیکی کی روشنی میں لائے اور یہ ایسا عجیب پیغام تھا کہ وہ لوگ ڈرتے اس بات سے تھے۔ ان کے ہاں بھی ساری رعایا مظلوم تھی' چند لوگ حاکم ظلم کر رہے تھے۔ ہر معاشرے میں سو میں سے 99.9 فی صد لوگ جو تھے وہ مظلوم تھے اور کوئی 0.1 فی صد جو ایک حاکموں کا ٹولہ بنا ہوا تھا وہ عیش کر رہا تھا۔ وہ اس بات سے نہیں ڈرتے تھے کہ یہ ساڑھے تین ہزار بندے ہمیں کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ ڈرتے اس بات سے تھے کہ یہ جو ہمارے لوگ ہیں یہ بھی ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور یہی ہوا۔ آپ اس ملک کی' برصغیر کی فتح کو دیکھ لیں کہ محمد بن قاسم ساڑھے تین ہزار کے قریب فوج لے کر اس پر حملہ آور ہوا اور پھر کبھی عرب سے مزید فوج نہیں منگوائی۔ وہی علاقے جو مسلمانوں کے زیر نگیں آتے' مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھ کر' اپنا احترام' اپنی قدر' اپنی عزت دیکھ کر اور ظلم کے خلاف وہاں انصاف دیکھ کر وہ اپنے حاکموں اور اپنے ظالم بادشاہوں کے خلاف مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جاتے۔ مسلمان بھی ہوتے' کلمہ بھی پڑھتے' جہاد بھی کرتے۔ وہیں سے فوجیں بنتی چلی جاتیں۔ اب اس پر ایک مثال قرآن حکیم نے مزید ارشاد فرمائی ہے اور وہ تاریخی مثال ہے موسیٰ علیہ السلام کی' فرمایا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ (وہ انسانیت کے ٹھیکیدار نہیں تھے' ذمہ دار نہیں تھے انسانی برادری کے) اپنی قوم کو آپ نکالئے تاریکی سے نور کی طرف۔ ہوا کیا؟ بنی اسرائیل کو پاکیزہ معاشرہ دینے کے لئے قبطیوں اور فرعونیوں سے انہیں مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ مبعوث اس لئے نہیں ہوئے تھے کہ وہ قبطیوں سے لڑائی کریں۔ وہ مبعوث ہوئے تھے اپنی قوم کو ظلم سے نجات دینے کے لئے لیکن قبطی چونکہ اس سارے ظلم کی بنیاد تھے' اس معاشرے کی بنیاد تھے' وہ وجہ تھے ان کے اس ظلمت میں پسنے کی۔ لہٰذا ان سے مقابلہ کرنا پڑا اور آخر فرعون اور لشکر فرعون غرق دریا ہوا۔ اور تب جا کر نور اسلام اپنی پوری آب تاب سے چمکنے کے مواقع پا سکا۔

ہمارے ہاں مصیبت یہ ہے کہ ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ عقیدہ توحید نور ہے اور حق ہے یہ۔ نور ہے' عبادات نور ہیں اور یہ بھی حق ہے۔ یہ نور ہیں۔ تلاوت' تسبیحات' ذکر اذکار یہ نور ہیں لیکن یاد رکھئے صرف یہی نور نہیں ہے۔ تلاوت' تسبیحات اور ذکر اذکار اور عبادات کے لئے ضروری ہے کہ آپ کے معاملات میں بھی نور ہو' آپ کے کاروبار میں بھی نور ہو' آپ کے رزق میں بھی نور ہو' آپ کے

اخراجات میں بھی نور ہو' آپ کی آمدن اور آپ کے اخراجات ان حدود سے تجاوز نہ کریں جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعین فرما دیئے۔ ایک سجدے میں خشوع حاصل کرنے کے لئے آپ کو رزق حلال چاہیئے ہو گا۔ حرام کا حاصل کیا ہوتا ہے؟ بڑا خوبصورت اصول ہے جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرما دیا کہ ایک آدمی نے اتفاقاً" کچھ حرام کھا لیا' بے علمی میں کھا لیا' کسی بھی وجہ سے کھا لیا۔ اب وہ غذا اس کے وجود کا حصہ بنے گی' خون بنے گی' گوشت بنے گی۔ بعد میں اس کے بہت سے اعمال اللہ کو منظور ہو گئے۔ اللہ نے قبول فرما لئے اور میدان حشر میں اسے بخش دیا۔ فرمایا لیکن وہ ویسے ہی سیدھا جنت میں نہیں جائے گا۔ جب تک کہ جسم کا وہ گوشت جو حرام سے بنا ہے اسے اللہ جہنم میں جلا نہ دے۔ وہ جہنم ہی میں جلے گا۔ پھر اس کی جگہ اسے دوسرا گوشت عطا کر کے جنت میں بھیجیں گے۔ نُبِتَ من السُحتِ۔ جسم کا وہ حصہ جو حرام سے بنے گا۔ النَّارُ اَوْلیٰ بِہٖ۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا وہ جنت کو زیب نہیں دیتا۔ اسے زیب ہی یہ دیتا ہے کہ اسے آگ میں جلایا جائے۔ یہ اس بندے کی بات ارشاد فرمائی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو نیک ہے' پارسا ہے۔ اسے کسی دوست نے' مرید نے' کسی طالب نے' کسی دعوت میں کسی نے حرام کھلا دیا۔ اللہ نے معاف کر دی کہ اس کا حرام کھانے کا ارادہ نہیں تھا' اس نے حرام کمایا نہیں ہے' اس نے کسی کی چوری نہیں کی لیکن جو حرام کھایا اس سے گوشت تو بنا۔ فرمایا وہ گوشت جنت میں نہیں جائے گا۔ جسم کا وہ حصہ النَّارُ اَوْلیٰ بِہٖ۔ اسے آگ ہی زیب دیتی ہے۔ وہ آگ ہی کا حصہ ہے۔ دوسرا وہ بندہ جو عملاً" حرام کماتا ہے۔ رشوت لیتا ہے' چوری کرتا ہے' بددیانتی کرتا ہے' اپنی دولت بڑھانے کے لئے دوسروں کے حقوق چھینتا ہے۔ تو اس بارے فرمایا ایک بندہ بیت اللہ میں آئے گا جیسے آج ہم دوڑتے ہیں حج کے لئے' عمرے کے لئے جاتے ہیں۔ جسے پیسہ ملتا ہے' جاتا ہے۔

ہر آدمی کی خواہش ہوتی ہے۔ ہر مسلمان یہ چاہتا ہے کہ وہ جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی بیت اللہ کا طواف کر رہا ہو گا۔ اس کا لباس' اس کا حلیہ' اس کے سفر کے اثرات کا اظہار کر رہا ہو گا۔ بال پریشان ہوں گے' کپڑے پھٹ چکے' میلے ہو چکے ہوں گے۔ بڑا دور دراز سے سفر کر کے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ یا رب! یا رب! پکار رہا ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اسے کوئی جواب نہیں ملے گا۔ بڑے درد سے پکار رہا ہو گا لیکن کوئی جواب نہیں ملے گا۔ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں؟" فرمایا اس لئے کہ اس کا کھانا پینا حرام کا ہو گا یعنی اگر معاش میں حلال نہیں ہے تو حج ایک رسم ہے جو وہ ادا کرنے آ گیا۔ اس کی اللھم پر یا اس کے یا رب پر رب کریم اسے جواب نہیں دیں گے۔ اس سے بات نہیں کریں گے۔ اب اگر معاش میں حلال نہیں ہے' معاشرے میں حلال حاصل کرنے کے طریقے نہیں ہیں' معاشرے کا معاشی نظام جو ہے وہ اسلامی یا جائز نہیں ہے تو مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ کا مفہوم کہاں پورا ہو گا؟ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو ظلمت سے نور کی طرف لائیں۔ کیسے لائیں؟ جبکہ ان کی غذا میں جب ظلمت ہے تو نگاہ میں ظلمت آئے گی' زبان پر ظلمت آئے گی' خون میں ظلمت ہو گی' دل کی دھڑکن میں ظلمت ہو گی' گوشت میں' خون میں' ہڈیوں میں ظلمت ہو گی۔ نور کہاں سے آئے گا؟ آج بہت سے والدین جب یہ شکوہ کرتے ہیں کہ اولاد کہا نہیں مانتی۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے اس اولاد کو وہ غذا ہی نہیں دی جو ان کے وجود میں اطاعت پیدا کرتی۔ وہ غذا دی جس نے انہیں بے حیا بنا دیا۔ تربیت ہی وہ نہیں دی جو ان میں ادب و احترام پیدا کرتی۔ وہ تربیت دی جس نے انہیں سرکش بنا دیا۔ جب ہم نے اولاد کو اللہ کا باغی بنا دیا' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کا باغی بنا دیا تو ہماری حیثیت کیا ہے؟ جب وہ ہم سے بغاوت کرتے ہیں تو پھر ہمیں شکایت کس بات کی؟ وہ اولاد جس کی ہم نے

غلط تربیت کی' جسے ہم نے حرام کھلایا' رشوت لے کر کھلائی' جھوٹ بول کر کھلایا' چوری کر کے ان کا پیٹ بھرا' حرام سے انہیں پالا اور غلط تربیت دی اور انہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا' اللہ کے دین کا گستاخ بنایا۔ ان سے اپنی اطاعت کی امید کرنا کیسی عجیب بات ہے! یہ بات تو کافروں کی سمجھ میں بھی تھی۔

ابن علقمی نے خلیفہ بغداد سے دھوکہ کیا۔ وہ وزیر تھا خلیفہ بغداد کا۔ ہلاکو جب بغداد پر حملہ آور ہوا تو اس نے سازش کی (یاد رکھیں! تاتاری ظالم بہت تھے۔ دلیر نہیں تھے۔ انگریزوں اور تاتاریوں کی فتوحات سوائے سازش کے کوئی ایک بھی نہیں ملتی۔ یہ دو قومیں ایک انگریز اور ایک تاتاری انہوں نے بڑی دنیا فتح کی اور کوئی میدان انہوں نے مردانہ وار فتح نہیں کیا۔ سازش کی' ساز باز کی' کچھ غدار تلاش کئے' کچھ اس طرح سے ہیر پھیر کر کے ان قوموں کو تباہ کیا) ہلاکو سے خلیفہ بغداد کو دھوکا دیا' شہر پناہ تڑوا کر' دریا کا بند تڑوا کر' شہر میں پانی چھڑوا دیا۔ فوجیوں کو تنخواہوں کی طرف بھیج دیا۔ بے شمار سازش کر کے سقوط بغداد کا سبب بن گیا۔ ہلاکو خان کا وعدہ اس سے یہ تھا کہ میں تمہیں اس ملک پر اپنا امیر' نائب اور گورنر بنا دوں گا۔ بغداد کی تباہی کے بعد بڑی امید سے اپنا جتھہ لے کر اس کے دربار میں پہنچا تو اس نے قید کرا دیا۔ اس نے کہا "بادشاہ! میں نے تیرے لئے بڑا کام کیا ہے اور بغداد! جو جگر تھا مسلمانوں کا اور اسلام کا قلعہ تھا' میں نے تیرے سپرد کر دیا اور تو میرے ساتھ بے وفائی کر رہا ہے" ہلاکو خان کہنے لگا کہ تجھے بھی شکوہ ہے کہ تیرے ساتھ کوئی بے وفائی کر رہا ہے؟ تو! جس نے خلیفہ بغداد سے بے وفائی کی۔ یعنی جس کی نمک کھانے والی تیری پشتیں تھیں' تیرا باپ دادا جس کا نمک خوار تھا' تیری ساری قوم جس کی مرہون احسان تھی تو نے اس سے بے وفائی کی۔ تو مجھے اتنا بے وقوف سمجھتا ہے کہ میں تجھ سے وفا کی امید رکھوں اور تجھ پر اعتبار کر لوں۔ یعنی تو نے مجھے ہی بے وقوف سمجھا ہے کہ جہاں تیرے باپ دادا کی ہڈیاں تھیں' تیری پوری قوم تھی اور وہ سلطان تھا جس کے احسانات تیری نسلوں پر تھے اس سے تو نے بے وفائی کی میں تجھ سے وفا کی امید رکھوں؟ اس نے اسے اس پورے ٹولے سمیت قتل کروا دیا۔ اس نے کہا یہ تو پہلا کام ہے کہ ایسے بے ایمان کو دنیا سے رخصت کیا جائے' اس سے زمین کو پاک کیا جائے۔ یہ تو میرے ساتھ بھی دھوکا کرے گا۔

یہی وہ اصول ہے کہ ایک کافر بھی جانتا تھا کہ اپنے سب سے بڑے محسن کا بے وفا میرا وفادار نہیں ہو سکتا۔ ہمیں بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ آج کا بچہ گستاخ کیوں ہے؟ اللہ کی بارگاہ میں کیوں گستاخ ہے؟ دین کے لئے کیوں گستاخ ہے؟ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے یہ گستاخی اس حرام معاشرے' حرام ماحول' حرام طریق حصول رزق سے آ رہی ہے اور اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔ اگر ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ میرا بیٹا کسی کی پرواہ ہی نہیں کرتا' اسے کسی مذہب کی پرواہ نہیں' کسی عالم کی' کسی مسئلے کی' کسی خدا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو پھر جب وہ ہماری پرواہ نہیں کرتا تو شکایت کس بات کی؟ سو ظلمت سے نور کی طرف نکالنے کی دعوت قرآن کی ساری انسانیت کے لئے ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جانثاروں نے جزیرہ نمائے عرب سے اٹھ کر (کتنی عجیب بات ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے) روئے زمین کی تاریکیاں اٹھا دیں اور روئے زمین پر نور اسلام' نور توحید' نور عدل' نور حلال اور نور تہذیب' نور اخلاق' ہر شعبہ زندگی میں بہار ہی بہار پھیلا دی۔ یاد رکھیں ہم کام چور ہو گئے ہیں۔ شیطان پر ہم جو شکوے کرتے ہیں یہ ہماری اپنی کمزوریاں ہیں جو ہم اس کے ذمے لگاتے ہیں۔ آج بھی اگر ہم یہ ارادہ کر لیں کہ مجھے اس گھر کو' اس ماحول کو' اس معاشرے کو' کم از کم جس ملک کا میں شہری ہوں اس ملک کو ظلمت سے پاک کرنا ہے تو ہمارے پاس اتنی فرصت ہی نہیں بچتی کہ بیٹھ کر شیطان کا مشورہ سنیں۔ ہمارے پاس کرنے کا کام اتنا آ جاتا ہے کہ شیطان کے وسوسے سننے کی فرصت ہی نہیں بچتی لیکن اگر ہم کرنا چاہیں تو صرف

دو وقت کا رزق حلال کمانے کے لئے دن بھر مزدوری کرنا پڑتی ہے۔ اپنی سچی بات اور حق پر قائم رہنے کے لئے بے شمار مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر صرف اپنے وجود کو نہیں اگر اس بارہ کروڑ کے ملک کو پاک کرنے کا ارادہ ہم کر لیں تو ہمارے پاس وقت کب بچتا ہے؟

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہا کا ایک واقعہ ہے۔ ان کے تذکرے میں ملتا ہے کہ کسی نے ان سے کہا کہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر کبھی شیطان کی برائی نہیں سنی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ فرمانے لگیں کہ اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنے سے فرصت ملے تو اسے برا کہنے پہ وقت لگاؤں۔ یعنی میرے پاس تو اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ میں اللہ کی حمد و ثناء بھی پوری کر سکوں۔ اسے چھوڑ کر شیطان کو برا بھلا کہنے پہ لگ جاؤں تو میرا ہی وقت ضائع ہو گا۔ وہ جیسا بھی ہے میرے پاس تو اس کی بات کرنے کا وقت ہی نہیں۔ کرنے کا کام اتنا ہے (اپنی ذات سے لے کر معاشرے کی اصلاح تک) کہ اگر آپ ارادہ کر لیں تو آپ کے پاس فرصت ہی نہیں ہے کسی برے بندے یا کسی شیطان یا کسی ابلیس کی بات سننے کا۔ اور اگر اس ارادے پہ مسلمان نہیں آتے تو انہوں نے منشائے قرآن کو کماحقہ سمجھنے کی تکلیف ہی نہیں کی۔

جب نماز فرض ہوتی ہے تو اس کے ساتھ اور بھی چیزیں بجائے خود فرض ہو جاتی ہیں۔ وضو فرض نہیں ہے لیکن جب نماز فرض ہوتی ہے تو نماز کے لئے وضو کا کرنا بھی فرض ہو جاتا ہے۔ یہ ویسے فرض نہیں ہے کہ آپ وضو کریں لیکن جب نماز کا وقت آئے گا تو آپ اگر باوضو نہیں ہیں تو آپ پر نماز کی وساطت سے وضو کرنا بھی فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ ظلمت سے نور کی طرف نکلنے کے لئے رزق حلال کو کمانا بھی فرض عین ہے۔ جیسے نماز' روزہ ہے اسی طرح معاشرے کی برائی کا مقابلہ کرنا اور اس کے مقابلے میں حق کا احیاء کرنا یہ فرض عین ہے۔ عجیب بات ہے کہ نفلی عبادات پہ تو ہم بڑا زور لگائیں اور جو باتیں فرض عین ہیں' جو ہماری ذمہ داری ہیں ان کو ہم دعاؤں پہ ٹال دیں۔

کیا کبھی کسی نے یہ سوچا ہے کہ میں نماز ادا نہیں کرتا دعا کر لوں گا۔ یا اللہ تو ہی میری ادا قبول کر لے' میری طرف سے تو ہی نماز ادا کر لے۔ کیسے ممکن ہے یہ۔ اب نماز ہمیں خود اٹھ کر ادا کرنا ہو گی کہ یہ ہماری ذمہ داری بھی ہے' ہم پر فرض بھی ہے اور ہماری ضرورت ہے۔ اس لئے اس نے ہم پر فرض کی ہے یہ ہمارے کرنے کا کام ہے۔ روزہ ہم پر فرض ہے۔ ہم دعا کر دیں کہ یا اللہ میں تو کمزور ہوں میرے روزے میری جگہ تو ہی رکھ لے۔ بھئی اس کی کیا تک بنتی ہے؟ ہے کوئی تک بنتی؟ اگر اس کی کوئی تک نہیں بنتی تو اس کی کیا تک بنتی ہے کہ خدایا تو ہی اس ملک کے ماحول کو پاک کرتا رہے' مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کیا بات ہوئی؟ کون سا اسلام ہے یہ؟ یعنی کرنے کی ذمہ داری تو ہماری ہے۔ اس نے ہمارے ذمے لگایا۔ ہو گا وہی جو وہ چاہے گا پتہ نہیں ملک کی قسمت میں کیا ہے؟ لوگوں کے نصیب میں کیا ہو گا؟ لیکن ہم پر فرض عین ہے کہ ہم اس جہالت کا' اس ظلم کا' اس مغربی طرز سیاست کا' ان سب کا مقابلہ کریں اور سر میدان کریں۔

میں آج دیکھ رہا تھا۔ کل بہت بڑا فنکشن تھا اپوزیشن کا بلکہ مجھے بھی انہوں نے کہا کہ آپ بھی آیئے گا۔ میں نے کہا میں آ کر کیا کروں گا؟ ہم تو آپ سے متفق ہی نہیں ہیں۔ نہ حکومت سے ہمارا اتفاق ہے' نہ اپوزیشن سے۔ ہمارے آنے کا کیا فائدہ؟ اس لئے کہ حکومت بھی اور اپوزیشن بھی اسی طرز حکومت' اس طرز سیاست' اسی غیر اسلامی نظام کے داعی ہیں اور ہم سرے سے اس نظام کے خلاف ہیں۔ ہم نظام اسلام کے داعی ہیں پھر ہمارا آپ کا مل بیٹھنا زیب دیتا ہے؟ اس فنکشن میں انہوں نے بڑی تجاویز پیش کیں' بڑے طریقے پیش کئے' بڑی تنقید کی لیکن وہ ساری بات افراد کی ذاتیات تک ہے کہ بے نظیر نہ ہو' فلاں نہ ہو' یہ چیز بدل جائے لیکن جب نظام کی بات آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس بات کی ضمانت دی جائے کہ یہی نظام من و عن اس طرح رہے گا۔ یعنی بندے بدلنا چاہتے ہیں' نظام

نہیں۔ نظام کی مثال ہوتی ہے ٹرین کی' موٹر کی' جہاز کی۔ آپ موٹر نہیں بدلنا چاہتے' ڈرائیور بدلنا چاہتے ہیں۔ آپ ٹرین نہیں بدلنا چاہتے' آپ ڈرائیور بدلنا چاہتے ہیں کہ فلاں زیادہ جھٹکے لگاتا ہے' فلاں زیادہ صحیح چلائے گا لیکن گاڑی اسی میں بیٹھنا چاہتے ہیں۔ ہم وہ ٹرین بدلنا چاہتے ہیں کہ یہ ٹرین ظالمانہ ہے' یہ نظام کافرانہ ہے۔ یہ نظام کافر کا' انگریز کا' مغرب کا دیا ہوا ہے۔ ہمیں نظام وہ چاہئے جو اللہ کے قرآن کا ہے' جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے' جو خلافت راشدہ کا ہے اور جب تک یہ نظام نہیں بدلتا' ظلمت سے نور کی طرف نکلنے کا کیا تصور ہے؟ کوئی تصور نہیں۔ اگر کوئی اور راستہ ہوتا تو رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں میں تلوار اٹھا کر اور دو دو زرہیں پہن کر میدان جنگ میں تشریف نہ لاتے۔ وہ تو رحمت عالم تھے اللہ کی ساری رحمت مجسم ہو کر جلوہ افروز ہو گئی ایک ہستی کے وجود میں۔

تو یاد رکھئے ظلم کو روکنا ہی سب سے بڑی رحمت ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی شان رحمت ہے کہ کافروں کو بھی انصاف نصیب ہوا اور بندہ بندے کی خدائی سے آزاد ہو گیا۔ اگر اللہ کو مانا تو اس کی خوش نصیبی ہے' اللہ کو نہیں مانا تو بندوں اور بتوں کی خدائی اس کی گردن سے اتر گئی۔ آج بھی (اور آج سب سے زیادہ ضرورت ہے) آج دنیا میں واحد قوم مسلمان ہے جس کے پاس دنیا کے وسائل میں سے سب سے زیادہ وسائل RESOURCES ہیں۔ جتنے زندگی کے وسائل روئے زمین پر ہیں' جتنے ریسورسز ہیں ان میں سب سے زیادہ ایک قوم کے پاس وسائل ہیں اور وہ مسلمان ہے۔ جتنی افرادی قوت دنیا میں ہے۔ اس میں سب سے زیادہ افرادی قوت ایک قوم کے پاس ہے اور وہ مسلمان ہے۔ روئے زمین کا سب سے زیادہ حصہ مسلمان قوم کے پاس ہے۔ آپ ایک سمت سے دیکھیں۔ یہ ساٹھ ریاستیں دوسرے سرے تک لیکن اس کے باوجود وہ کافروں کی غلام ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کے نظام کافرانہ ہیں' ان کے نظام ظالمانہ ہیں' ان کے نظاموں میں تاریکی ہے اور تاریکی درندوں کے لئے ہوتی ہے' ظالموں کے لئے ہوتی ہے' کافروں کے لئے ہوتی ہے۔ ان کے شکار میں انہیں کام دیتی ہے۔ جب روشنی آ جائے تو ظلم خود بخود سمٹنا شروع ہو جاتا ہے اور روشنی ہے وہ نظام' نور ہے وہ نظام' نور ہے وہ تہذیب' نور ہے وہ طرز حکومت' وہ طرز حصول رزق' وہ طرز معاشرت جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ہم حکومتی پارٹی میں شامل ہو کر تکلیف اٹھا لیتے ہیں' اپوزیشن میں شامل ہو کر جیل کاٹ لیتے ہیں لیکن اسی ظالمانہ نظام کے لئے نفاذ اسلام کے نام پر ہیں عجیب سے وساوس گھیر لیتے ہیں کہ جی تبلیغ کر لی ہے' دعا کر لی ہے' جی بیت اللہ میں دعا کریں گے' جی اجتماع میں دعا کریں گے۔ جو کام کیا نہ جائے اس کے لئے دعا کرنا بجائے خود گستاخی ہے۔ ایک آدمی کھانا نہیں کھاتا اس کے لئے کوشش بھی نہیں کرتا اور نری دعا کرتا ہے تو اس دعا پہ اللہ اسے زندہ نہیں رکھے گا۔ اس لئے کہ جو فطرت کا قانون ہے اسے ترک کر کے دعا کرنا فطرت کے ساتھ مذاق ہے۔ ایک آدمی شادی نہیں کرتا اور دعا صبح و شام کرتا ہے۔ "مجھے اولاد دے" یہ قانون فطرت کے ساتھ' قانون قدرت کے ساتھ مذاق ہے' وہ گستاخ شمار ہو گا۔ دعا کا مقام یہ ہے کہ جو کچھ آپ کے بس میں ہے وہ کر گزریں اور دعا کریں "بار الہا! میں کیا' میری کوشش کیا' میں کمزور ہوں' میری کوششیں کمزور ہیں ان کو نتیجہ خیز بنانا تیرے دست قدرت میں ہے۔"

میرا ایمان یہ ہے کہ دنیا میں حقیقتاً جسے انقلاب کہا جا سکتا ہے' صرف وہ انقلاب ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بپا فرمایا۔ یہ میرا پکا ایمان ہے۔ میں اس پر دلائل نہیں دینا چاہتا اس لئے کہ مجھے اس کے دلائل کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ یہ بجائے خود سب سے بڑی دلیل ہے اپنے حق ہونے کی۔ ہر نبی انقلاب آفرین تھا اپنی قوم' اپنے وقت' اپنے علاقے کے لئے' پوری

انسانیت کے لئے۔ بغیر مادی اسباب کے پوری دنیا کے حکمرانوں کے سامنے اگر سینہ سپر ہو کر' ڈٹ کر اعلان فرمایا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور عجیب بات ہے دنیا کی جنگی تاریخ میں سب سے زیادہ عجیب و غریب جنگ اگر ہے تو وہ جنگ بدر ہے۔ ایک طرف پوری شان و شوکت کا لاؤ لشکر ہے دوسری طرف کمزور نحیف بوڑھے' بچے ملا کر تین سو تیرہ۔ نہ ان کے پاس اسلحہ' نہ غذا' نہ سواری۔ ان کے جیتنے کا کوئی امکان بظاہر نظر نہیں آتا سوائے ایک امکان کے کہ ان کو صف بستہ کر کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصروف دعا ہو گئے اوردعا فرمائی بارالہا! سارے کا سارا اسلام میں لے آیا ہوں۔ یعنی اس انقلاب کی جو اصل وجہ ہے' وہ دعا ہے۔ وہ دعا جو عریش بدر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی اور جس پر اللہ نے فرشتوں کو حکم دے دیا کہ جاؤ ان دیوانوں کی طرف سے جا کر لڑو اور کافروں کے ساتھ جہاد کرو۔ لیکن کیا وہ دعا مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں فرما سکتے تھے؟ ڈیڑھ سو میل' ڈیڑھ سو کلومیٹر سفر کیوں فرمایا؟ یعنی دعا کا انداز یہ ہے کہ جو آپ کے بس میں ہے وہ کر گزریں۔ جو بندے موجود تھے' جو طریقہ موجود تھا' جو ممکن تھا' جو اسلحہ موجود تھا' جو راشن موجود تھا وہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جہاد میں فروکش ہو گئے۔ وہاں کھڑے ہو کر دعا کی کہ "بار الہا! ہمارے وسائل یہی کچھ ہیں اب فتح و شکست یہ تیری قدرت کاملہ کا کام ہے۔"

آج ہم میدان سے دور بیٹھ کر دعا کرتے ہیں' عمل کے بغیر دعا کرتے ہیں' تسبیحات پڑھ کے دعا کرتے ہیں لیکن اس کافرانہ نظام کو چیلنج کر کے دعا نہیں کرتے۔ دعا کا مقام یہ ہے کہ اس کے خلاف ہم صف آراء ہوں' میدان میں کھڑے ہو کر اعلان کریں کہ ہمیں یہ نظام نہیں چاہئے۔ ہمیں خلافت راشدہ کا قرآن و سنت کا نظام چاہئے اور اس وقت اس میدان میں دعا کریں کہ بار الہا! ہماری آواز میں طاقت پیدا کر' ہمیں قوت' ہمیں جرات دے' ہمارے اس فعل میں برکت پیدا کر اور ہمیں نصیب فرما کہ ہم وہ نظام دیکھ سکیں' اس میں رہ سکیں' اس میں جی سکیں۔ یہ مطالبہ ہے قرآن حکیم کا کہ انسانیت کو' پوری اولاد آدم کو ظلمت سے نور کی طرف نکالا جائے چہ جائیکہ کہ خود مسلمان جو امین ہے کتاب اللہ کا' جو سپاہی ہے اللہ کا' جو قاصد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خود اس کافرانہ نظام کا اسیر ہو تو

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

جب مسلمان ہی کافرانہ نظام کا اسیر ہو گا تو دنیا میں نور' دنیا میں انصاف' دنیا میں عدل کہاں سے آئے گا؟ تو میرے بھائی عبادت کرو اور بڑی خشوع و خضوع سے' بڑے اطمینان سے۔ لیکن رزق حلال کھا کر' حرام کھا کر عبادت کا حق ادا نہیں ہوتا۔ حلال کمانے کے لئے آپ کو معاشرے میں حلال کے وسائل پیدا کرنے ہوں گے' حلال کے مسائل پیدا کرنے کے لئے آپ کو نظام اسلام لانا ہو گا۔ کافرانہ نظام میں' سودی نظام میں' کنجڑوں اور دلوں سے لائسنس جمع کر کے افیون اور چرس پر ٹیکس لگا کر' رشوت' چوری اور ڈاکے کے پیسے لے کر اور غریبوں کا خون ظلماً" چوس چوس کر عیش کرنے والا نظام آپ کو رزق حلال دے گا نہ عبادت کا لطف اور نہ ہی دین نصیب کرے گا۔ آج تو ہم اس حال میں ہیں میرے بھائی کہ اگر ہم سوچیں تو ہماری مسجد کے یہ جو جائے نماز ہیں ان میں بھی سود شامل ہے۔ آپ کے ملک کا کوئی کارخانہ ایسا نہیں ہے جو کپڑا بناتا ہو' دری بناتا ہو اور وہ سودی نظام پر نہ چلتا ہو۔ کس عبادت کی آپ بات کرتے ہیں؟ کس دینداری کی بات ہو گی؟ کہ مساجد تک بھی سود سے محفوظ نہیں ہیں۔ ہمارے مرنے والوں کا جو کفن ہے وہ بھی سودی نظام پہ تیار ہوتا ہے۔ تو کون سا اسلام؟ کون سا نور؟ کون سا عدل؟ کون سا انصاف؟ کیا اس ظلم کو مٹانا ہمارے فرائض میں شامل نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو ہمیں خود سوچنا ہو گا کہ اس کے لئے میری قربانی کیا ہے؟ میں اس کی کتنی فکر کر رہا ہوں اور اس کے لئے کتنا کام کر رہا ہوں؟